معارف

اکتوبر ۲۰۱۵ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپیے۔ فی شمارہ ۲۵/روپیے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپیے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپیے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپیے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپیے میں دستیاب۔

(اوپر کی رقوم ہندوستانی روپیے میں دی گئی ہیں)

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

سجاد الٰہی صاحب، A-27 لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور (پاکستان)

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

مقالہ نگار حضرات سے التماس

- مقالہ صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔
- حواشی مقالے کے آخر میں دیئے جائیں۔
- مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں: مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سن اشاعت، جلد یا جز اور صفحہ نمبر۔

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۶ ماہ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۱۵ء عدد ۴

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

برصغیر کی ملت اسلامیہ کی تاریخ میں سرسید کا مقام ومرتبہ اور ملک وملت پر ان کے غیر معمولی احسانات محتاج بیان نہیں۔ مسلمانوں کے علمی اور فکری ارتقاء کے میدان میں ان کی برپا کی ہوئی علی گڑھ تحریک اور ان کے قائم کیے ہوئے کالج کا جو غیر معمولی کردار رہا ہے وہ بھی اظہر من الشّمس ہے۔ ان کے انتقال کے دو دہوں بعد ایم۔اے۔او کالج نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا پرشکوہ اور حسین قالب اختیار کرلیا اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی امیدوں اور آرزوؤں کے سب سے خوبصورت اور عظیم الشان مرکز کی حیثیت حاصل کرلی۔ سرسید، ایم۔اے۔او کالج اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اثرات اور احسانات کی وسعت اور ہمہ گیری کا ایک عمومی اور سرسری اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ ان کا دائرۂ اثر برصغیر تک محدود نہیں بلکہ عالم اسلام اور دنیا کے دوسرے خطوں تک اتنی مختلف اور متنوع شکلوں میں پھیلا ہوا ہے کہ اس کی تشخیص اور شناخت بھی آسان نہیں۔ ہماری قومی اور ملی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس پر ان کے گہرے اثرات نہ مرتب ہوئے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے دوران علی گڑھ کے اس دانش کدہ اور اس کے جلیل القدر مؤسس کو برصغیر کی ملت اسلامیہ کی علمی، فکری اور تعلیمی زندگی میں مرکزی نقطہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

اعلیٰ انسانی اقدار میں احسان شناسی کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ زندہ قومیں اپنے محسنین کو ممنونیت اور احسان مندی کے جذبات کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔ گذشتہ چند دہوں میں ہماری ملی تاریخ میں سرسید اور ان کے ادارہ کے تعلق سے دو ایسے مواقع آئے جو غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے۔ احسان شناسی کا تقاضا تھا کہ قوم ان کو شایان شان طریقہ سے مناتی، ان سے وابستہ واقعات کو تشکر اور امتنان کے ساتھ یاد کرتی اور ان کو عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرتی۔ ۱۹۷۵ء میں ایم۔ اے۔او کالج کی تاسیس پر ایک صدی پوری ہوئی اور ۱۹۹۸ء میں محسن قوم سرسید کے یوم وفات پر سو سال پورے ہوئے۔ لیکن عمومی بے حسی اور احسان ناشناسی کی یہ دردناک صورت حال سامنے آئی کہ یہ دونوں مہتم بالشان واقعات جاڑوں کی چاندنی کی طرح آئے اور گذر گئے اور اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو کہ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ خود علی گڑھ میں ان کے سلسلہ میں کوئی

قابل ذکر تقریب منعقد نہیں ہوئی جب کہ پورے سال یونیورسٹی میں اس قسم کی تقریبات کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔اس پس منظر میں یہ بات بڑی اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ ۲۰۱۷ء میں اسی ماہ اکتوبر میں سرسید کی ولادت پر دوسو سال پورے ہونے والے ہیں۔اس موقع کو اس طرح منایا جانا چاہیے کہ گذشتہ کمیوں کی پوری طرح تلافی ہوجائے۔قوم و ملک کے اس محسن کو صرف عقیدت و محبت کا خراج ہی پیش نہ کیا جائے بلکہ ان کے وژن کو سمجھنے اور ان کے مشن کی تکمیل کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ مسلم یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں ضروری تیاریاں شروع کردی ہیں اور اس مقصد سے قائم کی جانے والی مختلف کمیٹیوں نے پوری سنجیدگی سے اپنے اپنے کام کی منصوبہ بندی شروع کردی ہے۔اب تک کی تیاریوں کو دیکھ کر یقین ہے کہ اس تقریب کو اس طرح منایا جائے گا جیسا کہ اس کا حق ہے۔

۳۱/اگست کو دہلی میں ایک یادگار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔مسلمانان ہند کی سب سے بڑی مشاورتی اور وفاقی تنظیم آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے اس دن اپنے جشن طلائی کا انعقاد کیا۔ملک وملت کے فعّال عناصر کی بھرپور شرکت نے اسے ایک تاریخی اور یادگار تقریب بنا دیا۔اس پروقار تقریب کے مہمان خصوصی نائب صدر جمہوریہ جناب حامد انصاری صاحب تھے اور انہوں نے ہی کلیدی خطبہ بھی پیش کیا۔ملک کی آزادی اور تقسیم کے بعد مسلمان جن سنگین حالات اور مسائل سے دوچار تھے ان سے موثر طور پر عہدہ برا ہونے اور ملک میں ایک باوقار اور باعزت مقام حاصل کرنے کے مقصد سے ملی قیادت نے مختلف اوقات میں جو اقدامات کیے ہیں ان میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ دوررس نتائج کا حامل اقدام مجلس مشاورت کا قیام تھا۔ملک کے مختلف حصوں میں رونما ہونے والے تباہ کن فرقہ وارانہ فسادات،مسلمانوں کے خلاف تیزی سے بڑھتے ہوئے نفرت اور تعصب کے حوصلہ شکن رجحانات اور تقسیم ملک کے لیے غلط اور یکسر بیجا طور پر مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہرانے کے نتیجہ میں ملت جس شدید نفسیاتی دباؤ کا شکار تھی اس سے اسے باہر نکالنے،حالات کا پورے اعتماد کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ایک بہتر مستقبل کی تعمیر و تشکیل کے لیے اس کے اندر عزم و حوصلہ پیدا کرنے کا اساسی فریضہ انجام دیا۔مشاورت کی بیدار مغز قیادت کو حالات کا پورا ادراک تھا اور اس

سے عہدہ برا ہونے کے لیے جس تدبر اور حکمت عملی کی ضرورت تھی اس سے بھی وہ پوری طرح بہرہ ور بھی تھی۔ان کوششوں اور اقدامات کے نتیجہ میں ملت کے اندر خود اعتمادی اور ایک نیا عزم وحوصلہ بیدار ہوا اور اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔اللہ کا شکر ہے کہ گوناگوں اور نہایت سنگین مسائل کے باوجود ہمارا آج کل سے بہتر ہے اور آنے والا کل انشاءاللہ آج سے بہتر ہوگا۔بلاشبہ آج کو کل سے بہتر بنانے میں مجلس مشاورت کا کردار بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ایسا تو نہیں ہے کہ مجلس کو ہمیشہ کامیابیاں ہی ملیں، جہاں اس نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں وہیں اسے کئی معاملات میں ناکامی کا منہ بھی دیکھنا پڑا۔اس کی تاریخ میں کئی نشیب وفراز بھی آئے اور بڑے دل شکن حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔حالات کے دباؤ میں وہ دولخت بھی ہوئی اور ایک مدت تک اس کے دونوں دھڑا الگ الگ کام کرتے رہے لیکن اس کی موجودہ قیادت قابل ستائش ہے کہ یہ تلخ داستان اب تاریخ کا حصہ ہے۔ مجلس کے قیام کے وقت ملت کو جو مسائل درپیش تھے وہ اب بھی نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا ہے۔ان کی سنگینی کے باوجود اگر بیدار مغزی سے کام لیا جائے تو ان سے عہدہ برا ہونا ممکن ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس طریق کار کی ضرورت ہے اس کی تفصیل جناب نائب صدر کے خطبہ میں موجود ہے۔ہم کو یقین ہے کہ مشاورت کی فعّال اور بیدار مغز قیادت نئے چیلنجز سے عہدہ برا ہونے اور مشکلات ومسائل پر قابو پانے کے لیے مؤثر لائحہ عمل تیار کرنے اور اس کو روبہ عمل لانے میں کامیاب ہوگی اور اس کی رہنمائی میں ملت ایک نئے اعتماد اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنا سفر جاری رکھے گی۔

سلسلۂ شبلی صدی مطبوعات کے تحت گذشتہ دنوں درج ذیل کتابیں شائع ہوئیں:

۱۔رسائل شبلی، علامہ شبلی نعمانی۔ ۲۔متاع رفتگاں (وفیات)، شاہ معین الدین احمد ندوی، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ ۳۔مولانا حالی کی یاد میں (مجموعۂ سیمینار مقالات)، مرتبہ اشتیاق احمد ظلی۔ ۴۔یہود اور قرآن، مولانا ضیاءالدین اصلاحی، مرتبہ اشتیاق احمد ظلی۔

اس سلسلہ کے تحت متعدد کتابیں اس وقت تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں۔شبلی صدی سال کے اختتام تک انشاءاللہ یہ سب شائع ہوجائیں گی۔

مقالات

حنفی منہج اجتہاد میں حدیث پر رائے کی ترجیح کی بحث

جناب محمد عمار خان ناصر

''معارف'' اپریل ۲۰۱۵ء میں شائع ہونے والے ایک مقالہ میں راقم الحروف نے احادیث و آثار کے حوالے سے ائمہ احناف کے اصولی زاویہ نگاہ کو واضح کرنے کے لیے جو مباحث پیش کیے، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ ائمہ احناف کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دین کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ماخذ ہیں اور وہ آپ کی طرف کسی روایت کی نسبت قابل اطمینان طریقے سے ثابت ہو جانے کے بعد غیر مشروط طور پر اسے رائے اور قیاس کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روایات کی نسبت کو قبول کرنے کے ضمن میں ائمہ احناف کا معیار بے جا طور پر سخت نہیں اور وہ احتیاط کے پہلو سے مسند روایات کے ساتھ ساتھ بعض شرائط کے ساتھ مرسل روایات اور غیر معروف راویوں کی نقل کردہ روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ایسے معاملات میں جن کا ماخذ قیاس نہ بن سکتا ہو، وہ صحابہ کے فتاویٰ کو بھی مرفوع روایات کا درجہ دیتے ہوئے انہیں قیاس پر مقدم قرار دیتے ہیں۔

۳۔ ائمہ احناف کے منہج استدلال میں احادیث و آثار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تصانیف میں مرفوع روایات اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور وہ روایات کے اسی ذخیرے کے دائرے میں رہتے ہوئے اور انہی کی بنیاد پر فقہی احکام کا استنباط

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔

کرتے ہیں۔

تاہم اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عراقی فقہا اور خاص طور پر ائمہ احناف کو ابتدا ہی سے جن بنیادوں پر اعتراضات اور شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا، ان میں رائے اور قیاس کو احادیث وآثار پر فوقیت دینے کا اعتراض سب سے اہم ہے۔امام ابوحنیفہؒ پر یہ تنقید خود ان کی زندگی میں ان کے بہت سے معاصرین کی زبان سے تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے کہ وہ کسی مسئلے میں رائے قائم کرتے ہوئے احادیث کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کی بہت سی آرا کی بنیاد احادیث کو رد کرکے اپنی ذاتی رائے اور قیاس کو ترجیح دینے پر رکھی گئی ہے۔

مذکورہ اعتراض کے تناظر میں دور اول میں عراقی مکتب فکر کے متعلق حجازی مکتب کے بہت سے ممتاز ترجمانوں کے جو تبصرے منقول ہیں، وہ خاصی شدت کی غمازی کرتے ہیں اور ان میں اہل الرائے کے منہج کے متعلق سخت الفاظ میں منفی تاثرات کا اظہار ہے۔مثلاً وکیع کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے ابوحنیفہ کو دوسو احادیث کا مخالف پایا ہے۔حماد بن سلمہ نے کہا کہ:

ان ابا حنیفة استقبل الآثار والسنن فردها برایه (خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۵/ ۵۴۳)	ابوحنیفہ نے آثار اور سنن کو سامنے پایا اور انہیں اپنی رائے کی بنیاد پر رد کردیا۔

احمد بن المعذل نے اصحاب الرائے کے متعلق اپنے تاثر کو یوں بیان کیا:

المائلین الی القیاس تعمدا والراغبین عن التمسک بالخبر (نفس المصدر ۱۵/ ۵۴۱)

یہ لوگ جان بوجھ کر قیاس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اخبار پر کاربند رہنے سے اعراض کرتے ہیں۔

امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

ما نقمنا علی ابی حنیفة انه یری، کلنا یری ولکنا نقمنا علیه انه یجیئه الحدیث عن النبی صلی اللہ علیه وسلم	ہمیں ابوحنیفہ پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ رائے سے کام لیتے ہیں۔ہم سب رائے سے کام لیتے ہیں۔ہمارا اعتراض ان پر یہ ہے کہ ان کے پاس

فيخالفه الى غيره	نبیؐ کی حدیث پہنچتی ہے اور وہ اس کے خلاف
(نفس المصدر ۳/ ۲/ ۳،۲)	کوئی دوسری رائے قائم کر لیتے ہیں۔

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

كانت فتنة ابى حنيفة اضر على هذه	اس امت کے لیے ابو حنیفہ کا فتنہ دونوں
الامة من فتنة ابليس فى الوجهين	صورتوں میں ابلیس کے فتنے سے بھی زیادہ
جميعا، فى الارجاء وما وضع من	ضرررساں ہے۔ ارجاء کے معاملے میں بھی اور
نقض السنن (نفس المصدر ۱۵/ ۵۴۵)	سنتوں کی مخالفت کے حوالے سے بھی۔

دور اول میں فقہائے عراق کے بارے میں یہی تاثر عام ہے جس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ محدثین تو ایک طرف، جاحظ جیسے معروف معتزلی عالم نے اپنی کتاب "حیاۃ الحیوان" میں ایک سے زیادہ مقامات پر امام ابوحنیفہ کے بارے میں حفص بن غیاث کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اعلم الناس بما لم يكن واجهل	جو نہیں ہے لوگوں میں ان کا علم وہ سب سے
الناس بما كان	زیادہ رکھنے والے ہیں اور جو ہے ان سے وہ
(الحیوان، ۱/ ۲۴۷، ۱۳/ ۱۹)	لوگوں میں سب سے زیادہ ناواقف ہیں۔

حنفی فقہاء کا موقف: ائمہ احناف کے موقف اور استدلال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا اختلاف دراصل نہ تو اصولی حیثیت سے احادیث و آثار کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے ہے اور نہ کسی مخصوص روایت کی نسبت کو نبیؐ سے ثابت مان لینے کے بعد اس سے مختلف رائے قائم کرنے سے ہے۔ ایسے تمام اعتراضات میں اصل اختلاف درج ذیل امور میں سے کوئی ایک ہے:

۱۔ ائمہ احناف کی تحقیق کے مطابق متعلقہ روایات صحیح نہیں اور وہ ان کے مقابلے میں دوسری روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ ائمہ احناف اعتراض میں پیش کردہ روایات کے ظاہری اطلاق پر عمل کرنے کے بجائے دیگر نصوص کی روشنی میں ان کا درست محل متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز وہ تشریعی احادیث اور غیر تشریعی ارشادات نبویہ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں، یعنی نبیؐ کے ایسے فیصلوں کو جو آپ

نے مختلف مواقع پر حاکم یا قاضی ہونے کی حیثیت سے پیش آمدہ صورت حال کی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمائے، مستقل اور بے لچک شرعی احکام کا درجہ نہیں دیتے، بلکہ شارع کے اصل منشا کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے معاملات کا مدار حاکم وقت یا قاضی کی صواب دید پر رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان نکات کے حوالے سے چند توضیحات پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث کے ردوقبول کے معیار کا فرق: فقہائے احناف کے ہاں قبول روایت میں عائد کی جانے والی بعض شرائط ابتدائی دور ہی سے حجازی مکتب فکر کی طرف سے نقد وجرح کا موضوع رہی ہیں۔ اس حوالے سے امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کی "کتاب الام" کے بعض مباحث، علامہ ابومحمد بن حزم (۴۵۶ھ) کی "احکام الاحکام" اور "المحلی" اور امام ابن القیم (م ۷۵۱ھ) کی "اعلام الموقعین" کے متعلقہ ابواب کو اہم ماخذ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

احادیث کے ردوقبول اور اخبار آحاد کی قبولیت اور ان سے استفادہ کے حدود کے متعلق فقہائے احناف کے اصولی منہج اور ذیلی قواعد بنیادی طور پر احناف کی اصول فقہ کی کتابوں میں زیر بحث آئے ہیں۔ حنفی اصول فقہ کی قدیم کتابوں میں امام ابوبکر الجصاص (م ۳۷۰ھ) کی "الفصول فی الاصول"، قاضی ابوزید الدبوسی (۴۳۰ھ) کی "تقویم الادلة"، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۹۰ھ) کی "اصول السرخسی" اور فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ) کی "کنز الوصول الی معرفة الاصول" کو امہات کتب سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ مصنّفین میں سے جصاص نے "الفصول" کے علاوہ "احکام القرآن" میں بھی جابجا اصولی مباحث کو موضوع بنایا ہے اور ان کی یہ کتاب بھی اس حوالے سے ایک بنیادی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

الاستاذ محمد زاہد الکوثری (۱۳۷۱ھ) کی "فقه اهل العراق و حدیثهم"، مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۹۴ھ) کی "قواعد فی علوم الحدیث"، مولانا حبیب الرحمن عثمانی کی "قواعد فی علوم الفقه" اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے "مقدمة فتح الملهم" میں بھی ان مباحث کا ایک بھرپور اور مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔ حال ہی میں ایک نوجوان فاضل عبدالمجید الترکمانی نے "دراسات فی اصول الحدیث علیٰ طریقة الحنفية" کے نام سے ایک مفصل تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے جس کی مراجعت اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر طالب علم اور محقق کے لیے

بہت مفید ہے۔

دسویں صدی کے معروف شافعی محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۴۲ھ) نے **"عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان"** کے آخر میں ایک مستقل فصل میں فقہائے احناف کی تحقیقات کا جائزہ لے کر ان اسباب کو منضبط انداز میں بیان کیا ہے جن کی بنیاد پر فقہائے احناف نے مختلف اخبار آحاد کو قبول نہیں کیا۔

آٹھویں صدی کے ممتاز حنبلی عالم امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے **"رفع الملام عن الائمة الاعلام"** کے عنوان سے ایک مستقل رسالے میں ائمہ فقہا کا دفاع کیا ہے کہ وہ بعض اوقات حدیث کے خلاف رائے قائم کرتے ہیں۔ اگرچہ کتاب کا عنوان عمومی ہے، تاہم اس کے مندرجات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا محرک خاص طور پر امام ابوحنیفہ پر کیے جانے والے اعتراضات ہیں۔ مذکورہ رسالہ میں امام ابن تیمیہ نے اس نکتے کو بطور خاص موضوع بنایا ہے کہ ائمہ فقہا میں سے کوئی بھی نبیؐ کی کسی بھی حدیث کو جان بوجھ کر رد کرنے یا اس کے خلاف رائے قائم کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا اور یہ کہ جب کسی مجتہد یا فقیہ کی رائے کسی حدیث کے خلاف ہوتی ہے تو اس کے مختلف علمی اسباب ہوتے ہیں جن کے تحت مجتہد اس حدیث پر اپنی رائے کی بنیاد رکھنے سے گریز کرتا ہے اور ایسا کرنے میں وہ علمی طور پر معذور ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک کسی حدیث کو قبول نہ کرنے کے جملہ اسباب کو درج ذیل تین نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ مجتہد اس بات پر مطمئن نہ ہو کہ اس حدیث کی نسبت نبیؐ سے ثابت ہے۔

۲۔ وہ یہ سمجھتا ہو کہ حدیث تو آپؐ سے ثابت ہے، لیکن اس سے آپؐ کی مراد وہ نہیں ہے جو بظاہر سمجھی جارہی ہے۔

۳۔ اس کی تحقیق یہ ہو کہ اس حدیث میں بیان ہونے والا حکم منسوخ ہوچکا ہے۔

ان تین بنیادی نکات کی تفصیل کرتے ہوئے ابن تیمیہ نے حدیث کو قبول نہ کرنے کے متعدد اسباب کی نشان دہی کی ہے جن میں سے اہم اور نمایاں اسباب یہ ہیں:

۱۔ حدیث کے خلاف رائے قائم کرنے کا پہلا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ مجتہد تک وہ حدیث

پہنچی ہی نہ ہو۔ظاہر ہے کہ جب وہ اس حدیث سے واقف ہی نہیں تو لازمی طور پر دوسرے نصوص یا عقلی دلائل کی روشنی میں کوئی رائے قائم کرے گا جو اس باب میں وارد حدیث کے خلاف بھی ہوسکتی ہے اور موافق بھی۔ابن تیمیہ کی رائے میں سلف سے احادیث کے خلاف جو اقوال منقول ہیں، ان میں سے بیشتر کے پیچھے یہی سبب کارفرما ہے۔اس ضمن میں ابن تیمیہ نے احادیث کی جمع وتدوین کے حوالے سے ابتدائی دوصدیوں کی صورت حال کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ نبیؐ کے زمانے میں تمام صحابہ آپؐ کے جملہ ارشادات سے واقف نہیں ہوتے تھے، بلکہ احادیث کا علم مختلف صحابہ کے مابین بکھرا ہوا تھا اور اکابر صحابہ بھی بعض اوقات بہت سے اہم معاملات کے متعلق نبیؐ کے ارشادات سے واقف نہیں ہوتے تھے اور پھر ضرورت پڑنے پر دوسرے صحابہ سے تحقیق کے نتیجے میں متعلقہ احادیث ان کے علم میں آتی تھیں۔

مثال کے طور پر وراثت میں دادی کے حصے کے متعلق نبیؐ کا ارشاد سیدنا ابوبکرؓ کے علم میں نہیں تھا اور بعد میں ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن مسلمہؓ کے بتانے پر وہ اس حکم شرعی سے واقف ہوئے۔اسی طرح سیدنا عمرؓ کسی کے گھر جا کر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کی حدیث سے لاعلم تھے اور ایک موقع پر ابوموسیٰ اشعریؓ کے بتانے پر یہ حدیث ان کے علم میں آئی۔یہ حدیث بھی ان کے علم میں نہیں تھی کہ اگر شوہر کو قتل کردیا جائے تو اس کی دیت کی رقم میں سے اس کی بیوہ بیوی کو بھی حصہ ملے گا، پھر ضحاک بن سفیان کلابیؓ نے انہیں نبیؐ کے فیصلے سے آگاہ کیا۔یہی معاملہ مجوس سے جزیہ وصول کرنے کے حکم کا تھا جس سے سیدنا عمرؓ لاعلم تھے اور پھر عبدالرحمن بن عوفؓ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بتایا کہ مجوس کے ساتھ بھی اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں اکابر صحابہ کے حوالے سے متعدد مثالیں نقل کی ہیں۔

۲۔دوسرا ممکن سبب یہ ہے کہ مجتہد تک حدیث تو پہنچی ہو، لیکن اس کی تحقیق کے مطابق اس کی صحت ثابت نہ ہو۔ابن تیمیہ نے اس بارے میں عدم اطمینان کے مختلف وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔مثلاً یہ کہ سند کا کوئی راوی مجتہد کے نزدیک مجہول یا متہم یا سییٔ الحفظ ہو یا وہ اس تک کسی منقطع سند کے ساتھ پہنچی ہو وغیرہ۔ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ صدر اول میں اس کا امکان موجود تھا کہ بعض احادیث کچھ اہل علم تک صحیح اسناد کے ساتھ پہنچیں جبکہ کچھ دوسرے فقہا تک کمزور اور

ناقابل اعتبار طرق سے پہنچیں۔ اسی وجہ سے بہت سے ائمہ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ فلاں مسئلے میں یہ حدیث مروی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میرا بھی یہی قول ہے۔

۳۔ مجتہد کسی روایت کی تحقیق کرتے ہوئے بعض مخصوص شرائط کے پائے جانے کو ضروری سمجھتا ہو اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے روایت کی صحت پر مطمئن نہ ہو۔ مثلاً بعض فقہا حدیث کو کتاب وسنت پر پرکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، بعض حدیث کے خلاف قیاس ہونے کی صورت میں راوی کے فقیہ ہونے کو لازم قرار دیتے ہیں اور بعض کی رائے میں اگر حدیث کسی ایسے مسئلے سے متعلق ہو جو عام طور پر لوگوں کو پیش آتا ہے تو پھر اس کا عمومی طور پر معروف اور مشہور ہونا ضروری ہے۔

۴۔ مجتہد کی رائے یہ ہو کہ حدیث کے الفاظ زیر بحث صورت پر دلالت نہیں کرتے۔ اس ضمن میں دلالت کی بہت سی نازک اور لطیف اصولی بحثیں متعلق ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ عام مخصوص منہ البعض حجت ہے یا نہیں، عام حکم اگر کسی خاص موقع پر دیا جائے تو کیا وہ اسی موقع کے ساتھ خاص رہے گا یا علی العموم قابل اطلاق ہوگا، امر کے صیغے سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں وغیرہ۔

۵۔ مجتہد یہ سمجھتا ہے کہ حدیث بظاہر تو ایک امر پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس کے معارض دیگر ایسے دلائل موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ زیر بحث حدیث سے وہ مفہوم مراد نہیں جو بظاہر اس سے سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً حدیث کے الفاظ عام ہیں، جبکہ اس کے معارض کوئی خاص دلیل پائی جاتی ہے یا حدیث کے الفاظ مطلق ہیں جبکہ اس کے معارض کوئی مقید نص موجود ہے یا حدیث کے الفاظ کا حقیقی مفہوم مراد لینے کے مقابلے میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جو مجازی معنی مراد لینے کو راجح قرار دیتی ہے وغیر ذالک۔

۶۔ مجتہد کی تحقیق یہ ہو کہ حدیث کے معارض کوئی ایسی دلیل مثلاً کوئی آیت یا کوئی دوسری حدیث یا اجماع موجود ہے جو اس کے ضعیف ہونے یا منسوخ ہونے یا موول ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ضروری نہیں کہ مجتہد کا یہ فہم درست ہو، لیکن اگر اس نے اپنے فہم کے مطابق پوری طرح غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے وہ اپنے اجتہاد میں معذور بلکہ ماجور ہوگا۔ (رفع الملام عن

الائمۃ الاعلام، الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ، الریاض، ۱۴۱۳ھ، ص ۹-۳۵)

مخالفت حدیث کا حقیقی مفہوم: احادیث کی مخالفت کے اعتراض کے جواب میں فقہائے احناف کی طرف سے اس نکتے کی خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے کہ اس نوعیت کے بیشتر اعتراضات میں دراصل کسی حدیث کا ایک مخصوص مفہوم مراد لے کر، جو ظاہر ہے کہ ایک اجتہادی اور استنباطی عمل ہے، احناف پر یہ اعتراض کر دیا گیا ہے کہ ان کی رائے اس حدیث کے خلاف ہے، حالانکہ احناف اپنے فکر وفہم کے مطابق اسی حدیث کا اس سے مختلف مفہوم مراد لیتے ہیں جو معترضین نے مراد لیا ہے۔ ایسی صورت میں معاملے کی یہ تعبیر تو درست ہے کہ ائمہ احناف نے اس حدیث کی تعبیر وتشریح میں دوسرے فقہا سے اختلاف کیا ہے، لیکن اس کو نفس حدیث کی مخالفت کا عنوان دینا یا اس پر حدیث کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دینے کا الزام عائد کرنا کسی بھی طرح درست نہیں۔

امام ابو یوسف نے ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے اس نکتے کو بہت خوبی سے واضح کیا ہے۔ احادیث میں بیان ہوا ہے کہ نبیؐ نے یہ فرمایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو کاشت کر کے اسے آباد کر لے، وہ اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ اس ملکیت کو حاکم وقت کی اجازت سے مشروط قرار دیتے ہیں۔ بظاہر یہ رائے حدیث کے خلاف دکھائی دیتی ہے اور اسی بنیاد پر ان پر اعتراض بھی کیا گیا ہے، لیکن امام ابو یوسف اس اختلاف کی حقیقی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قیل لابی یوسف: ما ینبغی لابی حنیفۃ ان یکون قد قال ھذا الا من شیٔ لان الحدیث قد جاء عن النبیﷺ انہ قال: من احیا ارضا مواتا فھی لہ فبین لنا ذلک الشیٔ، فانا نرجو ان تکون قد سمعت منہ فی ھذا شیئا یحتج بہ، قال ابو یوسف: حجتہ فی ذلک	ابو یوسف سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہ کسی دلیل کے بغیر ایسی بات نہیں کہہ سکتے، کیونکہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کر لے، وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اس لیے آپ ہمارے لیے اس بات کو واضح کریں، کیونکہ ہمیں امید ہے کہ آپ نے اس معاملے میں ان سے کوئی ایسی دلیل سنی ہوگی جس سے وہ استدلال کرتے

ان يقول : الاحياء لا يكون الا باذن الامام، ارايت رجلين اراد كل واحد منهما ان يختار موضعا واحد وكل واحد منهما منع صاحبه ايهما احق به؟ ارايت ان اراد رجل ان يحيى ارضا ميتة بفناء رجل وهو مقر ان لا حق له فيها فقال: لا تحيها فانها بفنائى و ذلك يضرنى، فانما جعل ابو حنيفة اذن الامام فى ذلك هاهنا فصلا بين الناس ، فاذا اذن الامام فى ذلك الانسان كان له ان يحييها، وكان ذلك الاذن جائزا مستقيما، واذا منع الامام احدا كان ذلك المنع جائزا ولم يكن بين الناس التشاح فى الموضع الواحد ولا الضرار فيه مع اذن الامام ومنعه وليس ما قال ابوحنيفة يرد الاثر، انما رد الا ثر ان يقول : وان احياها باذن الامام فليست له، فاما من يقول هى له فهذا اتباع الاثر ولكن باذن الامام ليكون اذنه فصلا فى ما بينهم من خصوماتهم

ہیں۔ابو یوسف نے کہا کہ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے سے ملکیت کا حکم، حاکم وقت کی اجازت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، اگر دو آدمیوں میں سے ہر ایک، ایک ہی جگہ کو منتخب کر لے اور ان میں سے ہر آدمی دوسرے کو اس سے روکنا چاہے تو بتاؤ، ان میں سے کس کا حق اس جگہ پر زیادہ ہوگا؟ بتاؤ، اگر ایک شخص کسی دوسرے آدمی کے گھر کے سامنے ایک غیر آباد زمین کو آباد کرنا چاہے، جبکہ وہ آدمی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس زمین پر اس کا کوئی حق نہیں، لیکن وہ اس سے کہے کہ تم اس جگہ کو آباد نہ کرو، کیونکہ یہ میرے گھر کے سامنے واقع ہے اور یہ میرے لیے باعث ضرر ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں امام ابوحنیفہ نے امام کی اجازت کو لوگوں کے باہمی تنازعات میں فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ اگر امام اس شخص کو اس کی اجازت دے دے تو اس پر اس اجازت کو قبول کرنا روا ہوگا اور اس کی اجازت جائز اور مستقیم ہوگی۔ اسی طرح اگر امام کسی کو منع کر دے تو اس کا روکنا بھی درست ہوگا۔ یعنی امام کے اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار ماننے کی صورت میں ایک ہی جگہ سے متعلق لوگوں کی آپس میں کشمکش نہیں ہوگی اور نہ ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کا امکان رہے گا۔ امام ابوحنیفہ کی یہ رائے، حدیث کو رد نہیں کرتی۔ حدیث

و اضرار بعضهم ببعض

(کتاب الخراج، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۰۲ھ، ۶۴)

کو رد کرنا یہ ہوتا کہ وہ یوں کہتے کہ اگر کوئی شخص امام کی اجازت کے ساتھ زمین کو آباد کرے تو بھی وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو کہتے ہیں کہ زمین اس کی ملکیت بن جائے گی، لیکن امام کی اجازت کے ساتھ تو یہ حدیث کی پیروی ہے تاکہ لوگوں کو باہمی تنازعات اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے سے بچانے کے لیے امام کی اجازت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو جائے۔

امام طحاوی نے بھی بعض روایات کے حوالے سے ائمہ احناف پر مخالفت حدیث کے الزام کے جواب میں یہی نکتہ اٹھایا ہے۔ احادیث کی رو سے نبیؐ نے احرام کی حالت میں ایسے شخص کو جسے جوتے یا تہبند میسر نہ ہو، موزے اور شلوار پہن لینے کی اجازت دی ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں آدمی کو موزے اور شلوار پہننے کی اجازت تو ہے، لیکن احرام کی پابندیوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے اسے اس پر کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ امام طحاوی اس رائے پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

انا لم نقل لا يلبس الخفين اذا لم يجد نعلين ولا السراويل اذا لم يجد ازارا ولو قلنا ذلک کنا مخالفين لهذا الحديث ولکنا قد ابحنا له اللباس کما اباح له النبیؐ ثم اوجبنا عليه مع ذلک الکفارة بالدلائل القائمة الموجبة لذلک وانما وقع الخلاف بيننا وبينکم فی التاويل لا فی نفس الحديث لانا

ہم نے یہ نہیں کہا کہ وہ جوتے میسر نہ ہونے کی صورت میں موزے یا تہبند میسر نہ ہونے کی صورت میں شلوار نہ پہنے۔ اگر ہم ایسا کہتے تو ہم اس حدیث کی مخالفت کرنے والے ہوتے۔ ہم نے تو محرم کے لیے یہ چیزیں پہننے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ نبیؐ نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے ان دلائل کی بنیاد پر جو اس کا تقاضا کرتے ہیں، اس پر کفارے کو واجب کہا ہے۔ ہمارے اور تمھارے مابین اختلاف حدیث کے مفہوم میں

قد صرفنا الحدیث الی وجه یحتمله فاعرفوا موضع خلاف التاویل من موضع خلاف الحدیث فانهما مختلفان ولا توجبوا علی من خالف تاویلکم خلافا لذلک الحدیث

(شرح معانی الآثار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۲/ ۱۳۴)

ہے نہ کہ نفس حدیث (کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں، کیونکہ ہم حدیث کا ایک ایسا مفہوم مراد لیتے ہیں جس کا وہ احتمال رکھتی ہے۔ چنانچہ تمھیں حدیث کی تعبیر میں اختلاف اور نفس حدیث کے بارے میں اختلاف میں فرق کو جاننا چاہیے، کیونکہ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں اور جو شخص تمھاری بیان کردہ تشریح سے اختلاف رکھتا ہو، تمھیں اس پر اس حدیث کی مخالفت کا الزام عائد نہیں کرنا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ کے فقہی اجتہادات کے بظاہر بعض احادیث سے متعارض ہونے کی بنیاد پر انہیں مورد طعن بنانے کی ایک بہت قریبی نظیر ہمیں مذہبی لٹریچر میں اہل تشیع کے ہاں ملتی ہے جو اکابر صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر سیدنا عمرؓ کے اسی نوعیت کے بہت سے اجتہادات کو احادیث نبویہ کے معارض سمجھتے ہوئے انہیں نبیؐ کے احکام وفرامین کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ یہاں ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقہائے احناف پر اس حوالے سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کی نوعیت بھی بنیادی طور پر وہی ہے جو اہل تشیع کی طرف سے صحابہ کرام پر کیے جانے والے اعتراضات کی ہے۔ اہل تشیع کے ان اعتراضات کے مطالعے سے واضح ہوگا کہ اگر کسی فقیہ کے لیے اپنے مخصوص اجتہادی زاویہ نظر سے نصوص کے فہم اور ان کی تعبیر وتشریح کا اور بعض صورتوں میں اپنے عدم اطمینان کی بنیاد پر بعض ظنی الثبوت نصوص کی شارع کی طرف نسبت کو قبول نہ کرنے کا حق تسلیم نہ کیا جائے اور نصوص کی تعبیر وتشریح کے ضمن میں علمی واجتہادی اختلافات کو لازماً نصوص کی مخالفت ہی کا عنوان دیا جائے تو اکابر صحابہ اور بالخصوص سیدنا عمرؓ جیسی جلیل القدر شخصیت بھی اس اعتراض کی زد سے محفوظ نہیں رہتی۔

نصوص کی مخالفت کے حوالے سے صحابہ کے فیصلوں اور اجتہادات پر اہل تشیع کے اعتراضات کو گزشتہ صدی کے معروف شیعہ عالم السید عبدالحسین شرف الدین الموسوی العاملی (۱۲۹۰ھ۔

۱۳۷۷ھ) نے اپنی تصنیف "النص والاجتہاد" میں جامع طریقے سے بیان کیا ہے۔ آئندہ سطور میں ان کے اہم اعتراضات کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ نبیؐ نے اپنے مرض الوفاۃ میں اسامہ بن زیدؓ کو، جو اس وقت اٹھارہ سال کے نوجوان تھے، ایک سریہ کا امیر مقرر کر کے رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا اور اس موقع پر جب بعض لوگوں نے اسامہ کو امیر بنانے پر ناگواری ظاہر کی تو نبیؐ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور خود اپنے ہاتھ سے اسامہ کو جھنڈا دے کر انہیں روانہ کر دیا۔ تاہم عین اسی دن نبیؐ کی وفات ہوگئی تو صحابہ نے نہ صرف یہ کہ سیدنا ابوبکرؓ سے اس لشکر کو واپس بلا لینے پر اصرار کیا بلکہ اسامہ کو امارت سے معزول کرنے کا بھی مطالبہ کیا، حالانکہ وہ ان دونوں باتوں کے حوالے سے نبیؐ کے تاکیدی حکم اور فیصلے کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف میں تصریحاً ایک مصرف مولفۃ القلوب کا بھی ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہؐ بہت سے لوگوں کو اس مد میں سے مال دیتے رہے، لیکن ابوبکرؓ کے زمانے میں یہ لوگ سابقہ معمول کے مطابق اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے آئے اور ابوبکر نے انہیں اس کے متعلق تحریر لکھ دی تو عمرؓ نے اس تحریر کو لے کر پھاڑ دیا اور ان لوگوں سے کہا کہ اب ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب اللہ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا کر دیا اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال غنیمت کے خمس میں سے نبیؐ کے اقربا کا حصہ مقرر فرمایا تھا اور نبیؐ اپنی وفات تک اپنے اقربا کو یہ حصہ دیتے رہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ نے آیت کی تاویل کرتے ہوئے نبیؐ اور آپؐ کے اقربا کے حصے کو کالعدم کر دیا جبکہ بنوہاشم کو خمس میں سے خصوصی حصہ دینے کے بجائے عام مسلمان یتامیٰ اور مساکین کے حصے میں شریک کر دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وراثت کے احکام بیان فرمائے ہیں جو انبیا سمیت تمام اہل اسلام کے لیے عام ہیں، لیکن سیدہ فاطمہؓ نے ابوبکرؓ سے مدینہ، فدک اور خیبر کی زمینوں میں سے، جو رسول اللہؐ کے زیر تصرف تھیں، اپنے حصے کی وراثت کا مطالبہ کیا تو ان کا مطالبہ رد کر دیا گیا جس کی وجہ سے سیدہ فاطمہؓ نے مرتے دم تک ان سے کلام نہیں کیا۔ ان کی وفات ہوئی تو سیدنا علیؓ نے ابوبکرؓ کو اطلاع دینے کے بجائے رات کے وقت خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھا کر

انہیں دفن کر دیا۔

۵۔ نبیؐ نے واضح طور پر ہدایت فرمائی تھی کہ جو لوگ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دے دیں، انہیں جان کی امان حاصل ہوگی، لیکن ابوبکرؓ نے نبیؐ کی وفات کے بعد زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کلمہ گو قبیلوں کے خلاف قتال کا فیصلہ کر لیا اور جب عمرؓ نے انہیں نبیؐ کے ارشاد کا حوالہ دیا تو ابوبکرؓ نے جواب میں کہا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس کے خلاف ضرور قتال کروں گا۔

۶۔ نبیؐ نے اپنے مرض الوفاۃ میں ایک موقع پر صحابہ کو حکم دیا کہ وہ کاغذ اور قلم لے کر آئیں تاکہ آپ انہیں ایک تحریر لکھ دیں۔ اس پر عمرؓ نے کہا کہ اس وقت نبیؐ پر تکلیف غالب ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے جو ہمارے لیے کافی ہے۔ اس پر ان حضرات کے مابین اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ کاغذ قلم لے آؤ تاکہ نبیؐ تحریر لکھ دیں جبکہ کچھ حضرات نے عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ جب ان حضرات کا شور اور اختلاف شدید ہو گیا تو نبیؐ نے ان کو وہاں سے اٹھا دیا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک سفر میں حج اور عمرے کو جمع کرنے کی اجازت دی ہے اور نبیؐ نے بھی اس پر عمل کیا، لیکن عمرؓ نے اپنی رائے سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو اس سے منع کر دیا اور کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ لوگ عمرہ ادا کرنے کے بعد اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوں اور پھر اس حال میں حج کے لیے آئیں کہ ان کے سر سے غسل کا پانی ٹپک رہا ہو۔ ان کی اس رائے پر صحابہ میں سے سیدنا علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عمران بن حصینؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے یہ کہہ کر سخت تنقید کی کہ جب رسول اللہؐ نے اس کی اجازت دی ہے تو عمرؓ کو کیا حق ہے کہ لوگوں کو اس سے منع کریں!

۸۔ نبیؐ نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی رخصت دی تھی اور صحابہ آپؐ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد عمرؓ کے زمانے تک اس پر عمل کرتے رہے، لیکن جب عمرؓ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے منبر پر یہ اعلان کر دیا کہ دو متعے نبیؐ کے زمانے میں کیے جاتے تھے، لیکن میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور جو شخص ایسا کرے گا، اس کو سزا دوں گا: ایک متعۃ الحج اور دوسرا متعۃ النساء۔

۹۔ نبیؐ کے زمانے میں اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے الفاظ شامل نہیں تھے،

لیکن عمرؓ کے زمانے میں ایک دن موذن انہیں فجر کی نماز کے لیے جگانے آیا تو اس نے یہ الفاظ کہے جو عمرؓ کو پسند آئے اور انھوں نے اسے حکم دیا کہ وہ فجر کی اذان میں یہ کلمات کہا کرے۔

۱۰۔ نبیؐ کے عہد میں اگر کوئی شخص بیک وقت تین مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا، لیکن عمرؓ نے اپنے دور میں اس حکم کو تبدیل کر دیا اور تین طلاقیں دینے والے پر تین ہی طلاقوں کو نافذ کرنے کا حکم دے دیا۔

۱۱۔ نبیؐ کے زمانے میں باجماعت نماز تراویح ادا نہیں کی جاتی تھی، لیکن عمرؓ نے اپنے دور میں یہ نماز ایجاد کر لی اور خود اس کا اقرار بھی کیا کہ یہ ایک نیا طریقہ ہے۔

۱۲۔ نبیؐ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے، لیکن خلیفہ ثانی نے اپنے دور میں اپنی پسند کے مطابق لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہنے کا پابند کر دیا۔

مصنف نے مذکورہ کتاب میں صحابہ کرامؓ کی آرا اور فیصلوں پر اس نوعیت کے ستر کے قریب اعتراضات جمع کیے ہیں جن میں سے چند کا بطور نمونہ یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ (النص والاجتہاد، دار القاری، ۱۴۲۹ھ، ص ۹۔ ۴۳، ۷۵، ۹۷۔ ۱۳۷) اس سے مقصود اس نکتے کو واضح کرنا ہے کہ اگر نصوص کے ایک مخصوص فہم اور تعبیر کو ہی حتمی سمجھتے ہوئے اہل علم اور مجتہدین کے لیے تنوع اور اختلاف کی گنجائش نہ مانی جائے اور نصوص کے ظاہری مفہوم کو ہی حتمی اور واجب الاتباع سمجھا جائے تو خلفائے راشدین سمیت اکابر صحابہ بھی نصوص کی مخالفت کے مورد الزام قرار پاتے ہیں۔

نزاعی مسائل میں ائمہ احناف کا استدلال: معترضین کی طرف سے ائمہ احناف کی فقہی آرا کے احادیث کے خلاف ہونے کے حوالے سے مسائل کی ایک خاصی طویل فہرست بھی مرتب کی گئی ہے۔ وکیع سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ نے دو سو احادیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے، جبکہ ابوصالح الفراء نے یوسف بن اسباط کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ نے نبیؐ کی چار سو یا اس سے زیادہ احادیث کو رد کیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۵/ ۵۳۶)

حدیث کی مخالفت کے حوالے سے امام ابوحنیفہ کی آرا کو یکجا مرتب کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے غالباً امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے قلم اٹھایا اور اپنی معروف کتاب "المصنف" کے

آخر میں ”کتاب الرد علیٰ ابی حنیفة“ کے عنوان سے ایک سو پچیس موضوعات سے متعلق احادیث وآثار کی نشان دہی کی جن میں ان کے بقول امام ابوحنیفہ نے رائے اور قیاس کی بنا پر حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں امام ابن الجوزی نے ”المنتظم“ میں مسائل کی کم وبیش یہی فہرست چند اضافوں کے ساتھ درج کی ہے۔ (”المنتظم فی تاریخ الامم والملوک“، دار صادر، بیروت، ۱۳۵۸ھ ۸/ ۱۳۸ ۔ ۱۴۳) یہی اعتراضات ہیں جو اس موضوع پر اردو زبان میں تصنیف کی جانے والی مختلف کتابوں مثلاً ”الظفر المبین“ اور ”شمع محمدی“ وغیرہ میں دہرائے گئے ہیں۔

”المصنف“ کے مذکورہ باب میں امام ابن ابی شیبہ کے جمع کردہ اعتراضات کے موضوع پر متعدد حنفی اہل علم نے مختلف اوقات میں مستقل تصانیف مرتب کی ہیں اور متعلقہ اعتراضات کے حوالے سے ائمہ احناف کے استدلال کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ”الجواهر المضیئة فی طبقات الحنفیة“ کے مصنف امام عبدالقادر بن محمد القرشی (م ۷۷۵ھ) نے ”الدرر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبة عن الامام ابی حنیفة“ کے عنوان سے، جبکہ علامہ قاسم بن قطلو بغا الحنفی (م ۸۷۹ھ) نے ”الاجوبة عن اعتراض ابن ابی شیبة علی ابی حنیفة“ کے عنوان سے مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ تاہم ان کتابوں کا تذکرہ علمی ماخذ میں ہی ملتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی اس وقت دستیاب نہیں۔ دسویں صدی ہجری کے معروف شافعی عالم محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی (م ۹۴۲ھ) نے ”عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان“ کی ایک مستقل فصل میں امام ابن ابی شیبہ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کے حوالے سے اصولی بحث کی ہے اور ان وجوہ کو واضح کیا ہے جن کی بنیاد پر احناف نے بعض اخبار آحاد کو قبول نہیں کیا۔ اس وقت اس موضوع پر دستیاب کتابوں میں زیادہ معروف مصری محقق علامہ محمد زاہد الکوثری (۱۳۷۱ھ) کی ”النکت الطریفة فی التحدث عن بعض ردود ابن ابی شیبة علیٰ ابی حنیفة“ ہے جس میں زیادہ تر سند اور علم الرجال اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف فقہی اصولوں کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کے موقف اور استدلال کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ الدکتور عبدالمجید محمود عبدالمجید نے اپنی فاضلانہ تصنیف ”الاتجاهات

الفقهية عند اصحاب الحديث فی القرن الثالث الھجری ‘‘میں، جبکہ الدکتور محمد قاسم عبدہ الحارثی نے اپنے تحقیقی مقالہ بعنوان ’’مکانة الامام ابی حنیفة بین المحدثین‘‘ کے ایک مستقل باب میں ابن ابی شیبہ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ اسی موضوع پر اردو زبان میں راقم کے قلم سے ’’امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث‘‘ کے عنوان سے ایک کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی ہے جس میں علامہ کوثری کے اسلوب سے ہٹ کر علمی و فقہی نکات کی روشنی میں امام ابن ابی شیبہ کے اعتراضات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ الشیخ محمد عوامہ نے ’’المصنف‘‘ کا جو نسخہ اپنی تحقیق اور مفصل تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے، اس کی ۲۰ ویں جلد کے شروع میں ’’کتاب الرد علیٰ ابی حنیفة‘‘ کے پس منظر اور دیگر تفصیلات کے حوالے سے ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے۔

ان تمام مسائل میں ’’مخالفت حدیث‘‘ کے اعتراض کی حقیقت کو اصولی زاویے سے واضح کرتے ہوئے علامہ زاہد الکوثری نے یہ جامع بات لکھی ہے کہ:

ان نصف تلک المسائل مما ورد فيه احاديث مختلفة ياخذ هذا المجتهد باحاديث منها لترجحها عنده بوجوه ترجيح معروفة عنده وياخذ ذاک المجتهد باحاديث تخالفها لترجحها عنده بوجوه ترجيح اخرى عنده وباعتبار اختلاف شروط قبول الاخبار عند هذا وذاک فلا مجال فی هذا النوع للحكم على المجتهد بانه خالف الحديث الصحيح الصريح لان المسائل الاجتهادية	ان میں سے نصف مسائل ایسے ہیں جن میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک مجتہد اپنے ہاں معروف وجوہ ترجیح کی بنیاد پر بعض احادیث کو اور دوسرا مجتہد اپنے وجوہ ترجیح کی روشنی میں اس کے مخالف احادیث کو اختیار کر لیتا ہے۔ نیز دونوں کے مابین روایات کو قبول کرنے کی شرائط میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے، چنانچہ اس قسم کے مسائل میں مجتہد کے متعلق یہ حکم لگانے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس نے صحیح وصریح حدیث کی مخالفت کی ہے، کیونکہ اجتہادی مسائل میں قطعیت کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

ليست بموضع للبت فيها۔

واذا قسمت النصف الباقي اخماسا فخمس منها مما خالف خبر الآحاد فيه نص الكتاب فيوخذ بالكتاب وخمس آخر منها ورد فيه خبر مشهور وخبر دون ذلك فيرجح الخبر المشهور عملا باقوى الدليلين والخمس الثالث ما اختلفت فيه الافهام وتبينت فيه دقة فهم الامام دون فهم الآخرين فالقول قوله ايضا والخمس الرابع هو الذى تبين خطؤه فيه على اكبر تنزل و الخمس الاخير ما غلط فيه المصنف بعزو مالم يقله اليه بالنظر الى كتب المذهب

(النكت الطريفة، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۵ھ، ص ۵)

اس کے بعد باقی ماندہ نصف مسائل کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم ان مسائل کی ہے جن میں خبر واحد کتاب اللہ کی نص کے خلاف ہے، چنانچہ کتاب اللہ پر عمل کیا جائے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جن میں ایک خبر مشہور نقل ہوئی ہے اور دوسری خبر ایسی ہے جس کا معیار ثبوت کم تر ہے، چنانچہ قوی تر دلیل پر عمل کرتے ہوئے خبر مشہور کو ترجیح دی جائے گی، تیسری قسم میں (نص کی تعبیر میں) مجتہدین کے فہم کا اختلاف واقع ہوا ہے اور امام ابوحنیفہ کے فہم کی باریکی دوسرے ائمہ کے مقابلے میں زیادہ واضح ہے، چنانچہ انھی کا قول راجح ہے۔ چوتھی قسم وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے کا غلط ہونا واضح ہے (لیکن اس کی بنیاد بھی اجتہادی فہم ہے نہ کہ حدیث کی قصداً مخالفت)، جبکہ آخری قسم ان مسائل کی ہے جن میں مصنف نے امام ابوحنیفہ کی طرف وہ قول منسوب کر دیا ہے جو حنفی مذہب کی کتب کی رو سے درحقیقت امام صاحب کا قول نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: بحث کے آخر میں اپنی سابقہ تحریر کا یہ ٹکڑا مکرر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''اس خیال یا تاثر کی کوئی تائید ائمہ احناف کے اپنے موقف اور منہج اجتہاد سے نہیں ہوتی کہ وہ قابل اطمینان روایات کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں یا یہ کہ ان

کے ہاں روایات کونظر انداز کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ائمہ احناف کے منہج اجتہاد اوران کے علمی ماخذ میں احادیث وآ ثار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اوراس ضمن میں احناف اورائمہ حدیث کے نقطہ نظر میں اصولی طور پر کوئی فرق نہیں۔

حدیث پر رائے کو ترجیح دینے کے اعتراض کے حوالے سے اس بات کو ایک اتفاق کہنا شاید درست نہیں ہوگا کہ مخالفت حدیث کے اعتراض کے جواب میں امام صاحب کا دفاع کرنے والے بہت سے مصنفین کا تعلق حنفی مکتب فکر سے نہیں، بلکہ دوسرے فقہی مکاتب فکر سے ہے۔ مثلاً ''الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء'' کے مصنف ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) مالکی اور ''رفع الملام عن الائمة الاعلام'' کے مصنف آٹھویں صدی کے ممتاز حنبلی عالم امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) ہیں، جبکہ ''مناقب الامام ابی حنیفة و صاحبیه'' کے مصنف شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ)، ''الخیرات الحسان'' کے مصنف ابن حجر ہیثمی (۹۷۲ھ) اور ''تبییض الصحیفة'' کے مصنف جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) فقہ شافعی کی طرف انتساب رکھتے ہیں۔ ان سب حضرات کی تصانیف میں احادیث کے قیاس اور رائے پر مقدم ہونے کے حوالے سے امام ابو حنیفہ کے اقوال اہتمام سے نقل کیے گئے ہیں۔ یہی معاملہ دسویں صدی کے معروف شافعی عالم علامہ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) کا ہے جنھوں نے اپنی مشہور تصنیف ''المیزان الکبریٰ'' میں اس موضوع پر مستقل فصول قائم کی ہیں اور امام ابو حنیفہ کا پرزور دفاع کیا ہے۔ برصغیر کے علمائے اہل حدیث میں سے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''تاریخ اہل حدیث'' میں اسی اعتراض کو موضوع بنایا اور امام ابو حنیفہ کا دفاع کیا ہے۔ دور جدید کے جن عرب مصنّفین مثلاً ابو زہرہ، السید عفیفی اور سعید حوی وغیرہ نے امام صاحب کی حیات وافکار پر کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں زیر بحث اعتراض کے حوالے سے امام صاحب کا بھرپور دفاع کیا ہے، ان کا تعلق بھی حنفی مکتب فکر سے نہیں۔ ہمارے نزدیک مختلف مکاتب فکر کے اکابر اہل علم کی طرف سے کسی دوسرے فقہی مکتب فکر کے امام کے دفاع کے لیے یوں ایک زبان ہو جانا محض بے وجہ نہیں، بلکہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہ پر حدیث کی مخالفت کے حوالے سے عائد کیے جانے والے الزامات اتنے بے بنیاد اور خلاف

حقیقت ہیں کہ مذکورہ تمام اہل علم نے اس کی تردید کو اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس حوالے سے اپنی گواہی کو صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کو ضروری سمجھا۔

اس موضوع پر اپنی آئندہ تحریر میں ہم ان شاء اللہ یہ نکتہ واضح کریں گے کہ حدیث پر قیاس کی ترجیح کے عمومی تاثر یا الزام کے بالکل برعکس فقہائے احناف کے ہاں حدیث واثر کے مقابلے میں قیاس کو ترک کر دینا ایک مستقل اصول کا درجہ رکھتا ہے اور ان کے اجتہادات میں ایسی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جہاں وہ رائے اور قیاس کو اس لیے ترک کر دیتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قیاس کے تقاضے کے برعکس نبیؐ کی کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول منقول ہے۔ یہی نہیں، بلکہ اختلافی مسائل میں دوسرے فقہاء کے ساتھ بحث ومجادلہ میں بھی فقہائے احناف مخالف آرا پر اس بنیاد پر تنقید کرتے ہیں کہ ان کا اختیار کردہ موقف احادیث وآثار کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

رہنمائے کتب

احادیث مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست سازی میں مستشرقین کا اہم کارنامہ

جناب عبدالمتین منیری

مطلوبہ مواد تک کم وقت میں اور آسانی سے رسائی کے لیے بڑی کتابوں کی فہرست سازی اور اشاریہ بنانے کا فن مسلمانوں کا ایجاد کردہ ایک اہم فن ہے، حروف تہجی کی بنیاد پر کتب لغت کی ترتیب اس کا اولین مظہر ہے، ابن درید (۳۲۱ھ) نے حروف تہجی کی ترتیب پر اپنی لغت ''کتاب الجمہرۃ'' یورپ کی کسی لاطینی زبان کی پہلی ڈکشنری کے وجود میں آنے سے تین سو سال پہلے تیار کی تھی، چونکہ دین اسلام کی اساس قرآن وسنت پر ہے اور حدیث نبویؐ کی شکل میں سنت کا ذخیرہ ایک لاکھ احادیث نبویہ تک پہنچتا ہے اور اتنے بڑے ذخیرے میں سے مطلوبہ حدیث نبویؐ تک پہنچنا بہت ہی دقت طلب کام ہے لہٰذا حدیث کی فہرست سازی کی ضرورت پہلی صدی ہجری ہی میں محسوس کی گئی اور تلاش حدیث کو آسان بنانے کے لیے مختلف طریقے ایجاد ہوئے جن میں سے مندرجہ ذیل چار طریقے اہم ہیں:

۱۔ اطراف حدیث ومسانید کی فہرست سازی: اس کا طریقہ یہ تھا کہ کتب حدیث میں سے کسی کتاب کو منتخب کیا جائے، اس میں جتنے صحابہ کرامؓ کی روایات مندرج ہیں، ان کے ناموں کو ڈکشنری کے انداز میں ترتیب دیا جائے، پھر ہر صحابی کی روایات کے ابتدائی ٹکڑوں کو ترتیب وار جمع کیا جائے۔ یہ فہرست سازی میں رائج ہونے والا پہلا طریقہ تھا، جیسا کہ امام دارمیؒ کی سند سے وارد ابن عون کے اس قول سے کہ ''امام ابراہیم نخعی (۹۶ھ) نے حماد ابن ابی سلیمان کوفی (۱۲۰ھ)

دارالمعارف، ۱۰۸۸، امین الدین روڈ، منیر آباد، بھٹکل (انڈیا)۔

کو اپنی کچھ روایات لکھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ کیا میں نے تم کو لکھنے سے روکا نہیں تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اطراف ہیں" ثابت ہوتا ہے کہ اطراف الحدیث جمع کرنے کا یہ طریقہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں رائج ہو چکا تھا۔ ان فہرستوں میں ابی مسعود دمشقی (۴۰۱ھ) کی "اطراف الصحیحین"، ابوالعباس احمد بن ثابت بن محمد طرقی اصبہانی (بعد ۵۲۰ھ) کی "اطراف کتب خمسہ"، ابن عساکر (۵۷۱ھ) کی "الاشراف بمعرفۃ الاطراف"، مزی (۷۴۲ھ) کی "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" اور عبدالغنی نابلسی (۱۱۴۳ھ) کی "ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الاحادیث" اہمیت کی حامل ہیں۔

۲۔ احادیث کی ابتدائی عبارتوں کی فہرست سازی: فہرست ساز موضوعات یا مسانید پر ترتیب دی ہوئی کتاب منتخب کرتا ہے، پھر ہر کتاب کی ہر حدیث کی ابتدائی عبارت کو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کرتا ہے۔ آج کل یہ طریقہ بہت زیادہ رائج ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) فہرست سازی کے اس طریقہ کے راہنما تھے، آپ کی "کتاب الجامع الکبیر، الجامع الصغیر اور زوائد الجامع الصغیر" اسی ترتیب پر لکھی گئی ہیں۔

۳۔ موضوعاتی فہرست: فہرست ساز مسانید کی ترتیب پر موجود کسی کتاب کو منتخب کر کے موضوعات پر اس کو از سرِ نو ترتیب دیتا ہے، اس طرح موضوعات پر پھیلی روایات کو ایک جگہ پر سمیٹتا ہے، کوئی اس طریقہ پر دو کتابوں کو یا زیادہ کو ترتیب دیتا ہے، اس انداز سے ترتیب دی گئی فہارس میں حمیدی (۴۸۸ھ) کی "الجمع بین الصحیحین" رزین (۵۳۵ھ) کی "التجرید للصحاح الستۃ"، ابن الاثیر (۶۰۶ھ) کی "جامع الاصول"، ہیثمی (۸۰۷ھ) کی "کنز العمال"، احمد بن عبدالرحمٰن البناء الساعاتی کی "الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی" اور "منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد" شامل ہیں۔

۴۔ الفاظ حدیث کی فہرست: یہ کہ فہرست ساز کسی متعین حدیث کو لے کر اس میں سے مشکل و نامانوس الفاظ کو اکٹھا کر کے انہیں ڈکشنری کے انداز میں حروف تہجی پر ترتیب دے، پھر یہ الفاظ جس حدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ عبارتیں نقل کرے۔ اس طرح اس فہرست میں ایک حدیث کئی مرتبہ نقل ہوگی۔ اس قسم کی فہارس میں شیخ مصطفیٰ بن علی بن محمد مصطفیٰ البیومی مصری

کا نام آتا ہے جنھوں نے اس طریقہ کو ایجاد کیا اور کتب ستہ کی اہم کتابوں کی فہرست سازی کی۔ اس میدان میں مستشرقین کی کارگزاریاں بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب مشرقی ممالک پر مغربی سامراج کا غلبہ شروع ہوا تو ان کی کوشش ہوئی کہ یہاں کے تہذیب وتمدن وثقافت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں، تاکہ ان اقوام کے مزاج کو سمجھ کر ان پر حکومت کرنا آسان ہوسکے۔ کوشش کی جائے کہ ان غلام قوموں کا علمی ورثہ ان کے قبضہ میں اس طرح آئے کہ بوقت ضرورت اپنے قومی ورثہ سے استفادے کے لیے یہ سامراجی اداروں سے رجوع کرنے پر مجبور ہوں، اس طرح غاصب قوت کو ان کے مذہبی امور میں بھی مرجعیت حاصل ہو۔

لہٰذا جن ملکوں پر ان کا قبضہ ہوا یہاں کے کتب خانوں اور نادر قلمی کتابوں کو ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر اپنے ملکوں میں منتقل کیا گیا اور انہیں سینت سینت کر حفاظت سے رکھا گیا، پھر ان سے استفادہ کو آسان بنانے کے لیے فنی بنیادوں پر ان کی فہرستیں ترتیب دی گئیں اور فہرست سازی کے جس کام کو مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اسے ترقی کی انتہا تک پہنچانے کی کوشش کی گئی، اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے خزانے کھول دیے۔ یہ کام صرف قلمی کتابوں کے ناموں اور ان کے مصنّفین کی تفصیلات پر مشتمل فہرستوں کی حد تک محدود نہیں رہا، بلکہ ان قوموں کی بنیادی علمی کتابوں کے صفحات کے اندر پھیلے ہوئے مواد تک کم وقت میں رسائی کے لیے ان کی تفصیلی فہرستیں تیار کی گئیں۔ ایسے علمی کاموں کو انہوں نے طویل المیعاد پروجیکٹ کی حیثیت سے اس طرح مکمل کیا کہ اپنے ملکوں کی مالدار یونیورسٹیوں۔ اکیڈمیوں سے اس کے لیے بجٹ میں حصہ مقرر کیا جاتا تھا، اس کی تیاری کے لیے مشرقی زبان کے ماہرین کو جنہیں عرف عام میں مستشرق کہا جاتا ہے ان کی ٹیم تیار کی جاتی، کتاب تیار ہونے کے بعد اس کا محدود مقدار میں ایڈیشن تیار ہوتا جو حصہ داروں پر تقسیم ہوکر ان کے کتب خانوں کی زینت بن کر نایاب ہوجاتا، اس طرح یہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہوجاتا، یہی وجہ تھی کہ مستشرقین کے جو قابل تعریف کام ہیں ان سے مسلم ممالک اور برصغیر کے اہل علم عرصہ تک نابلد رہے۔ یہ علمی کام ان کی دسترس سے باہر رہے، ایسے علمی کاموں میں مستشرقین کی تیار کردہ حدیث شریف کی فہرستیں بڑی اہمیت کی

حامل ہیں، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے آج کے دور میں جب کہ چند سکنڈوں میں مطلوبہ معلومات تک پہنچا جاسکتا ہے، مطبوعہ کتابیں روز بروز اپنی اہمیت کھوتی جارہی ہیں۔ **المکتبۃ الشاملۃ**، **جامع الحدیث**، **موسوعۃ الحدیث الشریف**، **جوامع الکلم** جیسے سوفٹ ویر عام ہوکر فہرستوں کی ضرورتوں ختم کررہے ہیں لیکن مستشرقین کی تیارکردہ ان فہرستوں کی ضرورت اب بھی باقی ہے، زمانہ گزرنے کے باوجود ابھی ان کی رونق ماند نہیں پڑی ہے، ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ مفتاح کنوز السنۃ: موضوعاتی بنیاد پر ترتیب شدہ یہ حدیث کی سب سے بڑی فہرست ہے۔ یہ حدیث کی چودہ بنیادی کتابوں "**صحیح بخاری، مسلم، سنن ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطا امام مالک، مسند احمد، ابو داؤد طیالسی، زید بن علی، مغازی واقدی، سیرت ابن ھشام، طبقات ابن سعد**" میں وارد احادیث وآثار کی موضوعاتی تقسیم پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں مفہوم، علمی مسائل، تاریخی شخصیات کی حروف تہجی پر تقسیم اور ہر موضوع کے تحت ذیلی عنوانات کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر ہر ذیلی عنوان کے تحت متعلقہ حدیث کا مختصر مفہوم بطور سرخی اور اس کے ساتھ جن کتابوں میں یہ پائی جاتی ہیں حوالہ کے لیے ان کے علامتی نام دیے گئے ہیں۔ اگر آپ کو حدیث کا ابتدائی حصہ یا کوئی لفظ یاد نہ ہو یا لفظ کے ہجے میں غلطی ہورہی ہوتو بھی مفہوم کی بنیاد پر تھوڑی سی مشق سے بہ آسانی مطلوبہ حدیث تک آپ پہنچ سکتے ہیں۔

بنیادی طور پر یہ فہرست، تقریر کی تیاری اور مقالہ کی تیاری کے موقع پر خطیبوں اور مقالہ نگاروں کو موضوع سے متعلق احادیث تک بہت ہی کم وقت میں رسائی دلاسکتی ہے۔ یہ ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی تھیسیس تیار کرنے والے اسکالروں کے لیے بہت ہی مفید اور معاون ہے۔ ایک متوسط حجم میں ہونے کے باوجود اپنے مطلوب تک پہنچانے میں یہ دوسری بڑی اور ضخیم فہرستوں سے زیادہ سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔

اس فہرست کا اہم امتیاز سیرت، قصص الانبیاء وصحابہ کرام کی شخصیات سے متعلق مواد کو یکجا فراہم کرنا بھی ہے۔ مثلاً آپ حضرت عمرؓ کی سیرت پر چودہ کتابوں میں منتشر احادیث و

آثار کو مرتب طور پر یکجا دیکھنا چاہتے ہوں تو آپ کو (عمرؓ) کی شہ سرخی کے تحت پانچ صفحات (۳۵۷-۳۶۱) پر ایک سو سے زیادہ جامع عنوانات کے تحت آپ کی سیرت کا احاطہ ملے گا۔ جو اس طرح ہوگا:

اسلامہ۔ شہود جبریل۔ اسلام عمر۔ سماہ اھل الکتاب الفاروق۔ صفة عمر۔ قول النبیؐ لا تنسنا فی دعائک۔ ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔

اگر ان روایات کا حوالہ دینے کے بجائے مکمل روایتیں دی جائیں تو اندازاً یہ ڈھائی تین سو صفحے کی کتاب بن جائے گی۔ انگریزی زبان میں اس کتاب کی تیاری کا آغاز (۱۳۳۵ھ۔ ۱۹۱۷ء) میں ولندیزی مستشرق آرنٹ جان وینسنک A.G. Wensincit (۱۹۳۹ء) نے کیا تھا۔ دس سال کی لگاتار محنت کے بعد اس کا انگریزی ایڈیشن (۱۳۴۶ھ۔ ۱۹۲۷ء) میں لائڈن سے شائع ہوا۔ چودہ سال بعد اس کا عربی ترجمہ استاد فواد عبدالباقی نے (۱۳۵۳ھ۔ ۱۹۴۱ء) قاہرہ سے شائع کیا۔ عربی ایڈیشن کی تیاری میں مترجم کو علامہ رشید رضا مصری کی بھرپور رہنمائی ملی۔ علامہ نے کتاب کے مقدمے میں اس کتاب کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے (اگر اس جیسی جملہ کتب حدیث کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوتیں تو عبارتوں کے تلاش میں گذرنے والی میری آدھی عمر بچ جاتی، باوجود اس کے اس کتاب (مفتاح کنوز السنة) سے بے نیازی نہ ہوتی، کیونکہ یہ کتاب آپ کی رہنمائی جہاں ان قولی احادیث کی طرف کرتی ہیں جن کے ابتدائی الفاظ سے آپ واقف ہیں، وہیں یہ آپ کی رہنمائی تمام قولی و عملی سنتوں جیسے شمائل، مناقب اور غزوات وغیرہ سے وابستہ احادیث کی طرف کرتی ہے۔ اگر یہ یا اس قسم کی کوئی کتاب حدیث کی کتابوں کے ساتھ میری مشغولیت کے ابتدائی زمانے میں ملتی تو میری تین چوتھائی عمر اس میں صرف ہونے سے بچ جاتی۔

۲۔ المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ: یہ حدیث نبوی کی نو مشہور کتابوں کے الفاظ کی فہرست ہے۔ اس میں صحاح ستہ کے علاوہ موطا مالک، مسند احمد اور مسند الدارمی شامل ہیں۔ اس پروجیکٹ کے لیے برطانیہ، فرانس، بلجیم، ڈنمارک، اسپین، ناروے اور ہولینڈ کی علمی اکیڈمیوں اور حکومتوں نے مالی تعاون پیش کیا تھا۔ اس معجم کی تیاری کا خیال مفتاح

کنوز السنۃ کے مصنف وینسنک کو (۱۳۳۴ھ۔۱۹۱۶ء) میں آیا تھا اور (۱۳۴۰ھ۔۱۹۲۲ء) میں ان کے زیر نگرانی مستشرقین کی ایک ٹیم نے اس کام کا آغاز کر دیا تھا۔فنسنک نے (۱۳۵۵ھ۔۱۹۳۶ء) میں اس کی پہلی جلد کی اشاعت مکمل کی لیکن قبل اس کے کہ یہ پروجیکٹ مکمل ہو ان کی (۱۳۵۸ھ۔۱۹۳۹ء) میں موت واقع ہوگئی۔ پھر اس کام کو مستشرقین کے دوسرے گروہوں نے یکے بعد دیگرے آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ (۱۳۸۹ھ۔۱۹۶۹ء) میں اس کی ساتویں جلد منظر عام پر آئی، پھر (۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷ء) میں شخصیات، قرآنی آیات اور اماکن کی فہرست پر مشتمل آٹھویں جلد شائع ہوئی۔ چونکہ اس دوران دنیا کے سیاسی حالات بدل گئے تھے۔ مسلم ممالک پر سے مغرب کا سیاسی قبضہ ختم ہوگیا تھا، عالمی جنگوں نے یورپ کی اقتصادی کمر توڑ دی تھی، اس دوران فہرست سازی کرنے والی ٹیم کے افراد کی بھی موتیں واقع ہو رہی تھیں اور اس جیسے پروجیکٹوں کی افادیت بھی مغرب کے لیے ختم ہوگئی تھی، لہٰذا کتاب کی تیاری اور اشاعت کا یہ پروجیکٹ تقریباً ۲۷ سال تک چلتا رہا۔ اس پروجیکٹ پر ۱۳۲ افراد نے کام کیا، ان میں استاذ محمد فواد عبدالباقی بھی تھے۔اس دوران پروجیکٹ پر کام کرنے والے کئی اسکالروں کی موت ہوگئی اور اختتام تک مختلف رکاوٹیں آتی رہیں۔ بہرحال اس کی تکمیل تک ۱۳۲ افراد نے اس میں کام کیا، جن میں سے محمد فواد عبدالباقی شامل ہیں۔

یہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، اس کتاب کے جو بہت سارے فائدے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے اس کی بعض غلطیاں وخامیاں درگذر کرنے کے قابل ہیں۔اس کتاب کا سب سے بڑا فائدہ ریسرچ کرنے والوں کے وقت کی بچت ہے اور وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ یہ کتاب مستشرقین نے اپنے لیے تیار کی تھی، لہٰذا اس کے صرف پانچ سو نسخے چھاپے گئے تھے، جو مسلمان اسکالروں کی پہنچ سے باہر تھے، سنہ ۱۹۸۰ء میں سات جلدوں کی یہ کتاب ایک لاکھ ہندوستانی روپے میں بھی دستیاب نہیں تھی۔ پھر ترکی وغیرہ کے ناشرین کتب کی مہربانی سے اس کے تصویر شدہ نسخوں نے اسے خاص وعام تک پہنچا دیا۔

۳۔ تیسیر المنفعۃ بکتابی مفتاح کنوز السنۃ والمعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ

جب وینسنک نے مفتاح کنوز السنۃ اور المعجم المفہرس کا پروجیکٹ شروع کیا تھا، اس

وقت کتابیں آج کے دور کی طرح عام نہیں تھیں ۔ نہ ہی طلبائے علوم دینیہ اور علمائے دین کے معاشی حالات ایسے تھے کہ وہ کتابوں کی خرید پر اپنی آمدنی صرف کرتے ۔ان فہرستوں میں جن کتابوں کو شامل کیا گیا ہے، وہ ان کتابوں کے عموماً ابتدائی ایڈیشن تھے ۔ چونکہ فہرستوں اور اشاریوں کی تیاری کے وقت سرخیوں کی عبارت کو مختصر رکھنا، حوالہ کے لیے علامتوں اور رموز سے کام لینا، اجزا، صفحات، ابواب کے لیے نمبروں سے مدد لینا ایک ضرورت ہے۔لہٰذا اشاریہ کے اصول کے مطابق جن کتابوں کے جن ایڈیشنوں پر ابواب و احادیث کے نمبر پہلے سے موجود تھے انہیں لیا گیا، بقیہ پر مصنّفین نے اپنے معیار کے مطابق نمبر لگائے ۔ان فہارس و اشاریوں کی تیاری کے وقت مندرجہ کتابوں کے ایڈیشن ان کے سامنے رہے۔

۱۔صحیح البخاری: لائڈن ایڈیشن، سنہ ۱۸۶۲۔۱۸۷۸م و ۱۹۰۷۔۱۹۰۸ء۔

۲۔صحیح مسلم: بولاق ایڈیشن، سنہ ۱۲۹۰ھ۔

۳۔سنن ابی داؤد: قاہرہ ایڈیشن، سنہ ۱۲۸۰ھ۔

۴۔جامع الترمذی: بولاق ایڈیشن، سنہ ۱۲۹۲ھ۔

۵۔سنن النسائی: قاہرہ ایڈیشن، سنہ ۱۳۱۲ھ۔

۶۔سنن ابن ماجہ: قاہرہ ایڈیشن، سنہ ۱۳۱۳ھ۔

۷۔سنن الدارمی: دہلی ایڈیشن، سنہ ۱۳۳۷ھ۔

۸۔موطا مالک: قاہرہ ایڈیشن، سنہ ۱۲۷۹ھ۔

۹۔مسند احمد: قاہرہ ایڈیشن، ۱۳۱۳ھ (میمینیہ)۔

۱۰۔مسند زید بن علی: میلانو ایڈیشن، سنہ ۱۹۱۹ء۔

۱۱۔مسند الطیالسی: حیدرآباد ایڈیشن، ۱۳۲۱ھ۔

۱۲۔طبقات ابن سعد: لائڈن ایڈیشن، ۱۹۰۴۔۱۹۰۸ء۔

۱۳۔سیرت ابن ھشام: گوٹنگن ایڈیشن، سنہ ۱۸۵۹۔۱۸۶۰ء۔

۱۴۔طبقات ابن سعد: برلین ایڈیشن، سنہ ۱۸۸۲ء۔

ایڈیشنوں کی تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ایڈیشن زیادہ تر نادر اور ناپید ہیں،

اب ایسی کتابوں کے اشاریہ کا کیا فائدہ جن کا حوالہ آسانی سے تلاش نہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ عرصہ تک ان اشاریوں کا طلبہ واساتذہ نے صرف نام سن رکھا تھا لیکن جن افراد کے ہاتھوں تک یہ کتابیں پہنچیں تو ایک طویل عرصہ تک ان سے استفادہ ان کی دسترس سے باہر رہا۔ المعجم المفہرس سے تو ابواب کے مختصر عنوانات ہونے کی وجہ سے تھوڑا بہت استفادہ ہوتا رہا، لیکن مفتاح کنوز السنہ تو مظلوم رہی۔ کیونکہ اس میں ابواب اور فصلوں کے جو نمبر ہیں ان سے دستیاب کتب حدیث کے ایڈیشن خالی تھے۔

اسی ضرورت کو مذکورہ بالا دونوں اشاریوں کے ترجمہ وترتیب میں شریک استاد فواد عبدالباقی نے محسوس کرتے ہوئے آخر الذکر کتاب ترتیب دی اور اس کتاب کے بعد مذکورہ بالا دونوں اشاریوں کو انہوں نے فہرست شدہ کتابوں کے تمام ایڈیشنوں سے استفادے کے قابل بنا دیا۔ سرسری نگاہ سے دیکھنے پر یہ فہرست شدہ کتابوں کے عنوانات کی عام سی فہرست محسوس ہوتی ہے جو کتابوں کے ایڈیشنوں کے ساتھ چھپا کرتی ہے۔ اس کتاب کو مکرر شئی سمجھ کر اس سے استفادہ بہت ہی کم کیا گیا، عموماً طلبہ اور علماء اس کتاب سے واقفیت ہی نہیں رکھتے، نہ ہی اس کی کتاب کی کوئی ضرورت محسوس کرتے ہیں، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے، اگر مفتاح کنوز السنۃ اور المعجم المفہرس کنجی ہیں تو یہ کتاب کنجیوں کے دانت ہیں۔ کتاب کی ترتیب اس طرح ہے:

”مفتاح کنوز السنۃ“ میں اصل عنوان کے بعد ذیلی عناوین میں کتاب کا علامتی نام، باب نمبر اور حدیث نمبر دیا جاتا ہے۔ جیسے کتاب کی ابتدا حضرت آدمؑ کی سیرت سے ہوتی ہے۔ جس کا پہلا ذیلی عنوان ہے (احتجاج آدم وموسیٰ۔ بخ۔ ک ۶۰ ب ۳۱؛ ک ۶۵ سورۃ ۲۰؛ ب ا و ۳؛ ک ۸۲ ب ۱۱؛ ک ۹۷ ب ۳۷ الخ مس۔ ک ۴۶ ح ۱۳۔ ۱۱۲) اس کا مطلب ہے کہ اس عنوان پر صرف بخاری میں چھ جگہ اس موضوع سے متعلق حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، موطا، مسند احمد کے مکانات کی نشاندہی اس کے بعد آتی ہے جو ۱۴ میں سے ۹ کتابوں میں ۲۱ تک پہنچتی ہے۔

یہاں بخ سے مراد بخاری، ک ۶۰ سے مراد کتاب الانبیاء، ۳۱ سے مراد باب وفاۃ موسیٰ و ذکرہ بعد۔ مس سے مراد مسلم ہے، ک ۴۶ سے مراد القدر اور ۱۳ سے مراد حدثنی محمد بن حاتم ہے۔

جنوبی ہند کے ایک گمنام مصلح وداعی

حضرت علامہ محمد فخر الدین مہکری نائطیؒ بے خود ویلوری

ڈاکٹر راہی فدائی

جنوبی ہند کے سواحل معبر وملیبار کے آس پاس عرب کے جن قبیلوں نے اپنی بود و باش اختیار کی ان میں قبیلۂ نائط کا نام معروف وممتاز ہے، ''نائط'' عربی لفظ ہے جس کے معنی پیٹھ کی اندرونی رگ کے ہیں، جس سے پشت کے اجزا و اعصاب کا اتحاد و استحکام ہوتا ہے، چونکہ اس قوم میں آپسی اتحاد و اتفاق کا عنصر غالب تھا اس لیے عربوں نے انہیں قوم نائط کے لقب سے ملقب کیا۔ قوم نوائط کے متعلق ''گلستان نسب'' (مرقومہ ۱۲۳۰ھ) کے مولف نواب قادر عظیم خان بہادر مدراسی نے تاریخ طبری مصنفہ ابوجعفر طبری (م ۳۱۰ھ) سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

النائط طائفة من قوم قریش تفرقت من البلدة المبارکة الطیبة خوفاً من الحجاج بن یوسف الذی قتل خمسین الفًا من العلماء والاولیاء حتیٰ وصلت ساحل بحر الهند فتوطنت فی اماکن فیها وتلک التفرقة کانت سنة اثنین و خمسین ومأة من الهجرة النبویة علی صاحبها افضل الصلوٰة واکمل الزکیات التحیات ۔(۱)	یعنی قوم نائط قریش کا ایک قبیلہ ہے جو پچاس ہزار علماء اور اولیاء کے قاتل حجاج بن یوسف کے خوف سے ۱۵۲ھ میں بحر ہند کے ساحل پر اتر کر اطراف و اکناف کے علاقوں میں قیام پذیر ہو گیا۔

قوم نوائط کا سلسلۂ نسب بقول مصنف تاریخ النوائط چند واسطوں سے حضرت جعفر الصادقؒ تک پہنچتا ہے۔(۲)

بنگلور، کرناٹک۔

نوائط کا فضل و امتیاز بیان کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) رقم طراز ہیں:

''ابتدائے اسلام سے عرب و عجم کے سینکڑوں خاندان ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے، جن کے کارنامے چہرۂ تاریخ کے خط و خال ہیں، انہیں میں قوم نوائط کا خاندان ہے جو آج سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آیا اور بڑی کامیابی کے ساتھ مدراس اور دکن کے حصوں میں پھیلا، آج بھی یہ خاندان امتیاز کے ساتھ قائم ہے''۔(۳)

علاوہ ازیں مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے اپنی گراں قدر تصنیف ''عربوں کی جہاز رانی'' میں نوائط کی تشریح کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا کہ ''انگریزی کا لفظ ''نیوی'' ''نوایت'' سے لیا گیا ہے کیونکہ اس خاندان کے افراد فن جہاز رانی کے ماہر تھے اور پرتگیزیوں سے قبل سمندری تجارت کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی''۔(۴)

اسی قوم نوائط کی ایک شاخ ''مہکری'' کہلاتی ہے جس کے آبا و اجداد نے صوبہ دکن کے علاقہ کوکن میں واقع قصبہ ''مہکر'' کو اپنا مستقر بنالیا تھا جہاں مختلف پیشہ ور افراد اور تاجر اشخاص رہا کرتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق آندھرا کے ساحلی شہر نلور سے سو کلومیٹر کے فاصلہ پر اودگیر نامی شہر آباد ہے، جہاں کے قلعہ دار نوابان اودگیر کہلاتے تھے، اس کے مضافات میں سینکڑوں سال پہلے ''مہکر'' نام کا ایک قصبہ شرفا کا مسکن بنا ہوا تھا، جب زندگی کے مختلف تقاضوں کے تحت وہاں کے باشندے جنوب کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تو وہ ''مہکری'' کہلائے (۵)۔ خاندان مہکری کے بعض احباب تاجران کامران رہے اور بعض حضرات داعی و مصلح ہوئے جن کے مواعظ حسنہ اور نصائح موثرہ سے اہل جنوب کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔ ان ہی داعیوں کا ایک خانوادہ شہر ویلور آ کر فروکش ہوا، جس کے فرد فرید و شخص وحید کا اسم گرامی شیخ محمد فخرالدین مہکری نائطی ہے، ویلور شمالی آرکاٹ کا وہ مایہ ناز شہر ہے، جس میں مسلمان سات صدیوں (۷۰۰ھ) سے زیادہ عرصہ آباد ہیں۔ اس سے پیشتر ویلور میں کفر و ضلالت کی تاریکی تھی۔ اس گھپ اندھیرے میں شمع ایمان روشن کرنے والی اولین مقدس شخصیت حضرت نور محمد قادری قدس سرہ کی تھی، جن کا مزار ویلور ہی میں دریائے ''پالار'' کے کنارے شکستہ بت کدوں کے بیچ آج بھی مینارۂ نور بنا ہوا ہے۔(۶)

حضرت علامہ شیخ محمد فخرالدین مہکری نائطی جید عالم دین ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ وہ ایک طرف تشنگان علم وفن کے حق میں فضل وکمال کا سرچشمہ تھے تو دوسری طرف مریدین وسالکین کے لیے حقائق ومعارف کی سلسبیل بھی تھے۔ ان کی ذات والا صفات حقیقتاً مجمع البحرین تھی، اس خداداد صلاحیت اور امتیازی خصوصیت کے باوجود ان کا انکسار، ان کی کسر نفسی، خاکساری اور فروتنی نور علیٰ نور کی مصداق تھی، جس کی وجہ سے لوگ ان کی درس گاہ کی طرف کشاں کشاں چلے آتے اور اپنے تہی دامن کو اخلاص وللّٰہیت کے جواہر سے بھر کر رخصت ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ شیریں مقال بھی تھے جس کے سبب عوام الناس کے مجمعوں میں ان کے وعظ وتذکیر سے اصلاح رسوم کا ذوق اور بدعات وخرافات سے اجتناب کا شوق پیدا ہو رہا تھا۔ انہیں دنوں خانوادہ اقطاب ویلور کے بانی وجد اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی بیجاپوری (م ۱۱۵۰ھ) بن حضرت میراں سید ولی اللہ قادری بیجاپوری معروف بہ باپو جی (م ۱۰۹۹ھ) جن کا سلسلہ نسب پچیس واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقرؒ سے ملتا ہے، اپنے لخت جگر ونور نظر سید ابوالحسن قربی ویلوری (ولادت ۱۱۱۸ھ۔ وفات ۱۱۸۲ھ) کے ہمراہ ۱۱۳۸ھ میں ویلور دارالسرور تشریف لائے اور ویلور میں واقع عظیم الشان قلعے کے شمالی میدان میں قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت قربی کی ابتدائی تعلیم والد کے زیر نگرانی ہوئی تھی، پھر انہوں نے قیام آرکاٹ کے دوران والد ماجد کے حکم سے اپنے عم محترم مشہور صوفی صافی بزرگ حضرت سید شاہ علی محمد حسین قادری (م ۱۱۳۷ھ) قدس سرہ سے اکتساب فیض کیا تھا مگر ویلور آمد کے بعد حضرت قربی کو تکمیل تعلیم کی فکر ہوئی تو انہوں نے سیدھے علامہ شیخ محمد فخرالدین مہکری نائطی کی درس گاہ کا رخ کیا جہاں ان کو ظاہری وباطنی ہر طرح کی سیرابی کا سامان میسر تھا۔ چنانچہ قربی نے شیخ مہکری کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور شیخ سے تصوف کی اعلیٰ معیاری کتب مثلاً مخزن اسرار اور مثنوی شریف کی تعلیم حاصل کی (۷)۔ شیخ کی بابرکت صحبتوں سے فیض یاب ہو کر ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلافت واجازت سے مستفیض ہوئے۔ شیخ مہکری کی بارگاہ عالیہ سے استفادے کا سلسلہ ہنوز جاری تھا اس دوران شیخ نے محسوس کیا کہ قربی کا جذبہ شوق روز افزوں ہے تو وہ (غالباً ۱۱۴۱ھ میں) انہیں ساتھ لے کر اپنے پیرومرشد حضرت شاہ عبدالحق مخدوم ساویؒ (م ۱۱۶۵ھ) کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا کہ اس صالح نوجوان کو آپ اپنی خصوصی سر پرستی میں لے لیں۔ بقول پروفیسر یوسف کوکن:

"In the year 1147 A.H.(?) He (Qurbi) approched Shaikh Mohammed Makhdoom Abdul Huq Sawi, through Shaikh Muhammad Fakhruddin Mehkari Naiti,I for getting himself admitted into his order. The former agreed to and was very much pleased with him." (8)

حضرت مخدوم ساوی بلند پایہ صوفی، علوم تصوف و معارف کے صاحب کمال عالم تھے، جنہیں غیر مسلم دانشور بڑی عقیدت سے ''گیان بھنڈری'' یعنی مخزن عرفان کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ وہ بیجاپور کے حکمران سلطان ابراہیم عادل شاہ اول (۱۵۳۵ء تا ۱۵۵۸ء) کے پرپوتے تھے۔ انہوں نے ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ''کرامات قادریہ'' کے مصنف محمد نجیب بن احمد علی نے ۱۲۶۷ھ میں ایک طویل قصیدہ حضرت مخدوم ساوی کی شان میں لکھا جس میں انہوں نے یہ اطلاع دی:

چونکہ ہستی بحر عرفان و جہان معرفت کردۂ تصنیف در علم تصوف صد کتاب
ہر بیان دلکش نغز کتاب خویش را دادۂ تطبیق با شرع رسولؐ مستطاب

مصنف ''دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ'' کا بیان ہے کہ ''بعد ازاں شیخ بے خود (شیخ فخر الدین مہکری) نے اپنے شاگرد و مرید کے جذبہ شوق کے مدنظر اپنے پیر و مرشد حضرت عبدالحق محمد مخدوم ساوی (م ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۱ء) سے وابستہ دامن کر دیا۔ حضرت ساوی نے شاہ قربی میں طلب صادق پائی تو نہ صرف ان سے جملہ منازل سلوک طے کرائے بلکہ اپنے حین حیات دوسروں کو بیعت کرانے کی اجازت خود ہی مرحمت فرمائی جب کہ آپ کے خلفاء میں سے بجز حضرت بے خود کے کسی اور کو اس کی اجازت نہیں تھی'' (۱۰)۔ حضرت قربی اپنے مرشد و مربی پر اس قدر فریفتہ ہوئے کہ ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع اور مقطع بایں طور ہے:

از نفس چرا ترسم مخدوم ز تو مستم شد عشق خدا در سم مخدوم ز تو مستم

قربی بہ تو قرباں شد از کفر مسلماں شد ہم جسم شد و جاں شد مخدوم ز تو مستم (۱۱)

حضرت مہکری شاعر بھی تھے، ان کا تخلص بے خود تھا، وقتاً فوقتاً طبع آزمائی کرتے اور اپنے ہونہار شاگرد رشید کو سناتے، شاہ قربی کو اس وقت تک شعر و سخن میں کمال حاصل ہو چکا تھا، چنانچہ ایک روز شیخ بے خود مہکری نے اپنی ایک فارسی مثنوی شاہ قربی کو سنائی تو انھوں نے اس مثنوی کی خوب تعریف کرتے ہوئے فی البدیہہ ایک قطعہ کہا:

چوں شنید ایں سخن شوق فزا عقل در گوش ضمیر من گفت

کز گل و لالۂ لفظ و معنی پیشگی تازہ بہارے بہ شگفت

استاد بے خود نے اس قطعے کو بہ نظر تحسین دیکھا اور فرمایا کہ مجھے آج اپنی محنت کا صلہ مل گیا اور مذکورہ دو شعر اپنی بیاض میں لکھوا لیے۔ (۱۲)

شیخ مہکری کی یہ خصوصیت رہی کہ وہ اپنے تمام تلامذہ و مسترشدین کو نہ صرف معاشرے میں شائع شدہ خرافات و بدعات کی بیخ کنی کے لیے تیار کرتے تھے بلکہ اس وقت کے گمراہ فرقوں کے باطل عقائد کے خلاف صف آرا ہونے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ رشد و ہدایت کا ذوق انہیں اپنے مرشد شیخ ساوی اور ان کے مرشد حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (م ۱۱۹۵ھ) قدس سرہ کی مبارک صحبتوں میں میسر آیا تھا۔ اور پھر یہی علمی وراثت ان کے شاگردوں اور خلفاء میں منتقل ہو کر حضرت شاہ قربی اور ان کے فرزند و خلیفہ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی (م ۱۱۹۴ھ) وغیرہم کی میراث بنی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس سرہ کے ممتاز خلفا میں حضرت قربی بھی ہیں اور ان کے شیخ حضرت محمد فخر الدین مہکری بھی ہیں اور ان کے پیر و مرشد حضرت عبدالحق مخدوم ساوی کی ذات گرامی بھی ہے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ نے اپنے تمام خلفا کو یہ ہدایت دی کہ وہ جنوبی ہند کے مختلف شہروں میں پہنچ کر بدعات و خرافات کا قلع قمع کریں۔ بالخصوص رفض و شیعیت کے خلاف سختی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تلقین فرمائی تھی، اسی لیے ان تمام بزرگوں نے شیعیت کے خلاف کتابیں تصنیف کیں، رسائل تحریر کیے اور اپنے مواعظ حسنہ کے ذریعہ غلط اور باطل عقائد کی اصلاح فرمائی چنانچہ خود خواجہ رحمت اللہ کے قلم سے رد روافض میں کئی رسالے منظر عام پر آئے، ان میں "تنبیہ الانام فی الزجر عن التابوت و الاعلام" کو کافی

شہرت ملی، اس رسالے میں خواجہ نے مقدمہ، تین تنبیہات اور خاتمہ کے ذریعہ اپنا نقطہ نظر قرآن و حدیث کے شواہد و دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ قربی کے رسالے ''الدلائل المنیفه فی رد مذھب الشیعة الشنیعة''، منھج التحقیق فی افضلیة الصدیق اور ''میزان العقائد'' عوام وخواص میں مشہور ومقبول ہوئے۔ حضرت شاہ ذوقی کی من جملہ تصنیفات میں ''سلالة العقائد فی رد الروافض''، ''تصفیة الاذھان فی رد الروافض'' اور ''نواقض الروافض'' شیعیت کے امڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں سد سکندری ثابت ہوئیں۔ (۱۳)

جنوبی ہند میں رفض و تشیع کو فروغ سیاسی وجوہ کی بنا پر حاصل ہوا، یہاں کے بعض حکمراں ونواب مذہب تشیع کے پیروکار تھے، جنھوں نے شیعیت کی ترویج واشاعت میں کھل کر حصہ لیا، یہی وجہ تھی کہ جنوب میں مذہب روافض کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ہاتھ آیا۔ اگر مذکورہ بالا بزرگان دین واولیائے کاملین نہ ہوتے تو یہ خطہ ایران ثانی کہلاتا، بقول حضرت شاہ قربی:

> ''اگر قدوة المحققین زبدة العارفین شیخ مخدوم القادری قدس سرہ دریں ملک تشریف نیاوردے اکثر مردمان ایں جا درگرداب روافض افتادندے''۔ (۱۴)

اسی طرح حضرت شاہ ذوق نے اپنے والد ماجد شاہ قربی کے حالات بیان کرتے ہوئے رقم کیا ہے کہ:

> ''حضرت کا وجود باجود اگر اس ملک (کرناٹک) میں نہ ہوتا تو یہاں کے اکثر لوگ بدعتی ہوتے یا ملحد اور حضرت کی ذات بابرکت سے علم اس قدر پھیلا کہ کوئی جائے ایسی نہیں جس میں حضرت کے شاگرد نہیں یا شاگرد کے شاگرد''۔ (۱۵)

الغرض شیخ محمد فخر الدین مہکری نائطی بے خود ویلوری قدس سرہ کا یہ بہت بڑا اور عظیم الشان کارنامہ ہے کہ وہ اپنے تعلیمی وتدریسی مشاغل کے باوجود نہ صرف ایک دردمند مصلح اور بے لوث داعی کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی ادا کرتے رہے بلکہ اپنے مریدین ومسترشدین کا ایک وسیع وو قیع حلقہ قائم کر کے ان کے توسط سے اشاعت دین، حفاظت شرع متین اور اتحاد بین المسلمین کا گراں قدر فریضہ بھی انجام دیا۔

شیخ مہکری کا سن وفات پروفیسر یوسف کوکن مرحوم نے اپنی موقر تصنیف ''عربک اینڈ پرشین

ان کرناٹک'' میں ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء رقم کیا ہے۔ان کا مزار چنائی (مدراس) کے محلہ میلاپور میں اپنے مرشد حضرت مخدوم ساوی کی درگاہ کے احاطہ میں موجود ہے۔شیخ مہکری کے اخلاف میں جن کے نام تاریخ کے صفحات پر روشن ہیں ان میں سلطنت خداداد کے آصف (گورنر) محمد علی مہکری خانہ زاد (م ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء) مصنف دیوان گنج شائگان، نواب سعادت اللہ خان نائطی دوم (م ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۴ء) کے داماد محمد مخدوم مہکری (۱۶)، جن کی خواہش پر شاہ قربی کے فرزند شاہ ذوق نے ''تصحیح الصلوٰۃ فی تصریح الصلوٰۃ'' نامی کتاب (pp86x13) اور منظوم شجرہ وقصیدہ (pp64x15) ۱۱۸۷ھ میں لکھا تھا، یادگار زمانہ ہیں۔ان کے علاوہ موجودہ دور میں معتمد الملک محمد غلام محی الدین مہکری (م ۱۹۶۵ء) اور مجاہد آزادی محمد عنایت اللہ مہکری (م ۱۹۹۰ء) قابل ذکر ہیں۔شیخ فخر الدین مہکری کے افراد خاندان آج بھی جنوب کے مختلف شہروں میں بودو باش اختیار کیے ہوئے ہیں۔انہیں میں سے جناب محمد فضل اللہ مہکری (بنگلور) اوران کے بھائی جناب محمد عظمت اللہ مہکری اور فضل اللہ مہکری کے فرزند عزیزم خالد سیف اللہ مہکری راقم الحروف کے احباب میں شامل ہیں۔

مآخذ

(۱) نواب قادر علی خان بہادر، گلستان نسب (مخطوطہ) مرقومہ ۱۲۳۰ھ بحوالہ ''تاریخ النوائط'' از شمس العلماء نواب عزیز جنگ ولاؔ، ولا اکیڈمی حیدرآباد، اشاعت دوم (حصہ اول)، اگست ۱۹۷۶ء، ص ۲۸۰۔(۲) تاریخ النوائط، ص ۴۲۔ (۳) ایضاً، ص ۱۲۔(۴) ایضاً، ص ۱۱۔(۵) ایضاً، ص ۲۴۸۔(۶) ڈاکٹر راہی فدائی، دار العلوم لطیفیہ، ویلور کا ادبی منظرنامہ، ناشر ابوالحسان اکیڈمی، کڈپہ (آندھرا) مطبوعہ ۱۹۹۷ء، حیدرآباد، ص ۱۹۔(۷) نواب محمد غوث خان بہادر اعظم، تذکرہ گلزار اعظم، مطبع سرکاری، ۱۲۷۲ھ، ص ۲۸۶۔(۸) افضل العلماء محمد یوسف کوکن، Arabic and Persion in Carnatic 1710-1960، مطبع امیر اینڈ کو، مدراس، ۱۹۴۷ء، ص ۱۲۱۔(۹) ایضاً، ص ۱۰۸۔(۱۰) ڈاکٹر راہی فدائی، دار العلوم لطیفیہ، ویلور کا ادبی منظرنامہ، ص ۴۸۔۴۹۔(۱۱) ایضاً، ص ۴۷۔(۱۲) ایضاً، ص ۴۹۔(۱۳) عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص ۱۶۲۔(۱۴) ایضاً، ص ۱۱۱۔(۱۵) ڈاکٹر راہی فدائی، دار العلوم لطیفیہ، ویلور کا ادبی منظرنامہ، ص ۳۱۔ (۱۶) شجرۂ خاندان مہکری مخزونہ جناب محمد فضل اللہ مہکری بنگلوری بن جناب مرحوم محمد رحمت اللہ مہکری (م ۱۹۸۲ء)۔

مولانا آزاد کی اردو شاعری

ڈاکٹر شاہد نوخیز اعظمی

مولانا آزاد تقریباً نصف صدی تک اپنے انفاس گرم سے مردہ دلوں میں زندگی پھونکتے رہے، انہوں نے اپنے نور بصیرت سے تاریک تر دماغوں کو بھی منور کیا اپنی ہدایت ورہنمائی سے گم کردہ راہوں کو راہ راست دکھلایا علم کی روشنی سے معرفت کے کئی گوشے منور کیے، ان میں فطری عظمت، فلسفیانہ فکر، مجتہدانہ دماغ، مجاہدانہ جوش اور گوناگوں کمالات یکجا تھے، وہ دانائے راز، حکیم، مفکر، مدبر، سحر طراز ادیب، جادو بیان خطیب، ذہانت وذکاوت کا پیکر، فہم وفراست کا مجسمہ، فکر وتدبر کا دریائے بے کراں اور دیدہ وری ونکتہ سنجی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے جس راہ میں بھی قدم رکھا اپنا راستہ خود چنا اور ہر میدان میں اپنا الگ مقام اور امتیازی شان رکھی کیونکہ وہ حق وصداقت کی آواز اور عزم واستقلال کا پہاڑ تھے ایسی جلیل القدر اور عہد آفریں شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے جو افکار وتصورات کی دنیا اور قوم وملت کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیتی ہے، مولانا کی شخصیت میں دین، سیاست، مذہب، وطنیت، جدت اور قدامت کا نہایت دلکش امتزاج تھا۔ ماہرین آزاد نے موصوف کی صحافت، خطابت، فصاحت، بلاغت، تفسیر، تراجم، جغرافیہ اور سائنسی بصیرت پر تو بہت کچھ لکھا لیکن شاعری پر وہ توجہ نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے، مولانا ان تمام علوم وفنون کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے اگرچہ انہوں نے شاعری کم سنی میں شروع کی لیکن جلد ہی اس وادی کو خیر باد بھی کہہ دیا پھر بھی یہ شاعری شہادت دے رہی ہے کہ وہ اس وادی سے بھی کامیاب گزرے۔ مولانا آزاد کی اور شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے اگر مختصراً کچھ کہنا ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نثر میں غیر مقلد اور نظم میں مقلد تھے، انہوں نے

شعبۂ فارسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔ ۳۲

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کی لیکن افسوس کہ بیشتر کلام یا تو نذر بادو باراں ہوگیا یا ابھی تلاش وتحقیق ہی نہیں ہوئی، جن اشعار تک رسائی ہوئی ہے اسے دیکھتے ہوئے بلامبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ صرف مفسر، مقرر، صحافی اور انشاء پرداز ہی نہیں تھے بلکہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے، انھوں نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔ان کی شاعری میں نعت کی کثرت ہے ہم سب سے پہلے اردو شاعری میں نعتیہ کلام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لفظ ''نعت'' کے لغوی معنی صفت وثنا، تعریف وتوصیف اور مدح کے ہیں مگر مجازاً ادبی اصطلاح میں اس لفظ کا استعمال حضرت سید المرسلین رحمۃ للعالمینؐ کی توصیف کے لیے ہوتا ہے۔نعت گوئی ایک انتہائی مشکل فن ہے جس کے متعلق احمد رضا خاں ''ملفوظ'' جلد دوم کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں:۔

> ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ نہایت آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کم کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔''

ماہنامہ ''المیزان'' کے صفحہ ۵۱۵ پر فن نعت گوئی کے متعلق مولانا وارث جمال بستوی لکھتے ہیں:

> ''یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شاعری کے جملہ اصناف میں نعت گوئی بہت مشکل فن ہے اس لیے جذبہ اخلاص ومحبت اور گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ اعتدال وتوازن اور حدود شناسی کی بھی شدید ضرورت ہے، اس لیے عرفیؔ شیرازی فرماتے ہیں ؎
>
> عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
> آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را''

اسی مفہوم کو اعجاز احمد رحمانیؔ نے اس طرح ادا کیا ہے:۔

میں تو کیا کوئی قلم کار نہیں لکھ سکتا مدحت سید ابرار نہیں لکھ سکتا
خامہ رب کے سوا سارے قلم ہیں معذور کوئی بھی آپ کا معیار نہیں لکھ سکتا
نعت لکھواتا ہے اللہ تو لکھ لیتا ہوں میں تو اک حرف بھی سرکار نہیں لکھ سکتا

مولانا آزاد ایک زبردست عالم وفاضل تھے، اسی بناء پر نعت گوئی جیسے مشکل فن سے عہدہ برآ ہوسکے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک نعت رسالہ "سفینۂ نجات" (بمبئی) کے اپریل ۱۹۰۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، جو جناب افسر صدیقی امروہوی کے توسط سے حاصل کرکے ابوسلمان شاہجہاں پوری نے ارمغان آزاد میں شامل کی۔ یہ نعت شریف کل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔اس کے ارکان یہ ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن، جو، بحر مضارع مثمن غیر سالم یا مزاحف میں ہے۔مولانا آزاد کی یہ نعت شریف عام روایتی نعتوں سے ہٹ کر ہے۔اس میں فکر شگفتہ اور بندش چست ہے۔ نبی، منتہی، روشنی، نئی، روشنی اور بھری قوافی ہیں جبکہ ردیف "ہوئی" ہے مضامین کے اعتبار سے یہ نعت امتیازی شان رکھتی ہے:

نعت

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی — تو ابتداء میں طبع رواں منتہی ہوئی
ہر بیت میں جو وصف پیمبر کیے رقم — کاشانۂ سخن میں مرے روشنی ہوئی
کچھ تازہ رونقیں قدم مصطفی سے ہیں — رضواں یہ کہہ رہا ہے کہ جنت نئی ہوئی
تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم — مہتاب نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی
آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں — الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

ایک اور نعت اسی نعت کی توسیع ہے یہ ۱۹ اشعار پر مشتمل ہے۔پہلی نعت ۵ اشعار کی تھی۔ اس نعت میں مطلع، دوسرا شعر اور مقطع وہی ہے جو پہلی نعت میں تھا۔بقیہ ۱۶ اشعار اضافہ ہیں۔اس میں بھی وہی والہانہ پن اور زبان و بیان کی پختگی موجود ہے۔ ارکان بھی وہی یعنی: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن ہیں۔بحر کا نام: بحر مضارع مثمن غیر سالم۔ نبی، منتہی اور روشنی جیسے قوافی سابقہ نعت میں استعمال ہوئے تھے،اس نعت میں مولانا نے جن قوافی کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ بھی، بےخودی، سخی، دی اور کھلی۔ ملاحظہ ہو:

نعت

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی — تو ابتداء سے طبع رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصف پیمبر رقم کیے کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی
ظلمت رہی نہ پرتوِ حسنِ رسول سے بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی
ساقی سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے محفل تمام مست مئے بے خودی ہوئی
دل کھول کر رسول سے میں نے کیے سوال ہرگز طلب میں عار نہ پیش سخی ہوئی
تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم مہتاب نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی
ہے شاہ دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی
سالک ہے جو کہ جادۂ عشق رسول کا جنت کی راہ اس کے لیے ہے کھلی ہوئی
آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

مولانا آزاد کی ایک اور نعت بھی اسی بحر میں ہے۔مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن، لیکن اس نعت میں مولانا نے جو قوافی رکھے ہیں، وہ گزشتہ نعت کے قوافی سے کچھ الگ ہیں، اس کے قوافی میں انہوں نے حرف روی، ''ی'' کی قید رکھی ہے۔اس لیے نعت سے پہلے یہ قافیہ حرف ''روی'' کا نوٹ لکھ دیا ہے۔بہ شمول مطلع اس میں ۱۹ اشعار ہیں۔بحر کا نام: بحر مضارع مثمن غیر سالم یا محذوف ہے۔قافیہ حرف روی اس نعت میں مستعمل قوافی، برتری، ہری، افسری، رہبری، سخن گستری، جوہری، بے زری، افسوں گری، مشتری اور انوری ہیں۔مطلع اور مقطع دونوں میں مولانا آزاد نے نعت گوئی کے تعلق سے باتیں کی ہیں، مطلع میں کہتے ہیں کہ نبی عربی کی توصیف سے نعت کو برتری حاصل ہوئی اور شاخ طوبیٰ کی طرح مضامین میں سرسبز و شادابی آ گئی اور مقطع میں یہ بات کہی ہے کہ آزاد نے جب نور نبیؐ کی تعریف و توصیف کی تو چہار دانگ عالم میں اس کی شہرت کو پر لگ گئے اور فارسی زبان کے معروف شاعر انوریؔ کی طرح وہ بھی مشہور ہو گیا۔ملاحظہ ہو:

وصفِ نبی سے نظم کی یہ برتری ہوئی طوبیٰ کی طرح شاخِ مضامیں ہری ہوئی
مژدہ گدائے شہ کو دیا یہ سروش نے حاصل دیار دیں میں تجھے افسری ہوئی
پہنچوں گا حشر سے چمنستان خلد میں عشق رسول حق کی اگر رہبری ہوئی
شمّہ ثنائے شاہِ رسل کا نہ لکھ سکے بے کار شاعروں کی سخن گستری ہوئی
اوصاف جب لکھے دُر دندان پاک کے عالم میں اپنی طبع رسا جوہری ہوئی

یاد نبی میں دولت عقبیٰ حصول ہے کیا غم جو اس جہاں میں مجھے بے زری ہوئی
اعجاز مصطفیٰ کے ہوئے دل سے معتقد باطل فسوں گروں کی جو افسوں گری ہوئی
حسن حبیب حق کی تجلی کے رو برو تاریک تر ضیاء مہ و مشتری ہوئی
آزاد وصف نور نبی جب رقم کیا شہرت زمانے میں صفت انوری ہوئی

ایک اور نعت جریدہ ''صحن چمن'' نگینہ ضلع بجنور ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ نعت بھی اسی بحر میں ہے اور اس کے ارکان ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن۔ اس نعت شریف میں قوافی بدلے ہوئے ہیں، اس لیے نعت شریف سے پہلے ''بہ تبدیل قافیہ'' کا نوٹ لکھا ہوا ہے، جنت، امت، دولت، اور فصاحت وغیرہ قوافی ہیں جبکہ ردیف ''بھری ہوئی'' ہے۔ مولانا آزاد کی قادرالکلامی کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے، بحر کا نام: بحر مضارع مثمن غیر سالم یا محذوف ہے۔ مطلع میں مولانا آزاد نے کہا ہے کہ جنت امت رسول سے بھری ہوئی ہے اور حسن تکرار پیدا کرتے ہوئے دوسرے مصرع میں کہتے ہیں کہ جنت میں امت رسول بھری ہوئی ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعوں میں ایک ہی طرح کی بات کہی گئی ہے لیکن حسن تکرار سے فنی خوبی پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع اولیٰ میں ''شہ مشرقین'' کی ترکیب مزا دے گئی اور شعر کی اساس بن کر کھڑی ہوئی ہے، دل کو شہ مشرقین کا گھر قرار دے کر اس کی یاد سے معمور بتایا گیا ہے، جو شاعرانہ حسن کا سبب ہے۔ مولانا کی فکر اس نعت میں کس طرح گہرباری کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہے امت رسول سے جنت بھری ہوئی جنت میں ہے رسول کی امت بھری ہوئی
معمور دل ہے یاد شہ مشرقین سے اس گھر میں دو جہاں کی ہے دولت بھری ہوئی
میں افصح العرب کا ثنا گو ہوں دوستو! کیوں کر نہ ہو سخن میں فصاحت بھری ہوئی
پاتے تھے لوگ خطبۂ احمد سے لذتیں کیا بات بات میں تھی حلاوت بھری ہوئی
ہے قدسیان خاص کو بھی آپ سے خلوص دل میں ہے ہر ملک کے ارادت بھری ہوئی
کعبہ سے منزلت میں نہیں کم دل حزیں ختم رسل کی ہے جو محبت بھری ہوئی
آزاد پر بھی ہو نگۂ لطف یا رسول ہے دل میں آرزوئے شفاعت بھری ہوئی

مولانا آزاد کی ایک غزل بشمول مطلع و مقطع چھ اشعار پر مشتمل ہے، جو ''خدنگ نظر'' لکھنؤ،

جون ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن ۔ بحر کا نام: بحر رمل مثمن غیر سالم یا مزاحف۔اس غزل میں دو مطلع ایک مقطع ہے۔ قاتل، دل، بسمل، محفل، زائل اور شامل قوافی ہیں۔غزل پرانے رنگ کی ہے، مولانا کا انداز بہر حال نیا ہے:

غزل

کیوں اسیر گیسوئے خم دار قاتل ہو گیا	ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہو گیا
کوئی نالاں ، کوئی گریاں، کوئی بسمل ہو گیا	اس کے اٹھتے ہی دگر گوں رنگ محفل ہو گیا
تم نے مارا غیر کو اور رشک نے مارا مجھے	اس نے تن پر کھائیں تلواریں میں بسمل ہو گیا
اس نے تلواریں لگائیں کچھ ایسے انداز سے	دل کا ہر ارماں فدائے دست قاتل ہو گیا
انتظار اس گل کا اس درجہ کیا گلزار میں	نور آخر دیدۂ نرگس کا زائل ہو گیا
یہ بھی قیدی بن گیا آخر کمند زلف کا	لے اسیروں میں ترے آزاد شامل ہو گیا

مولانا آزاد کی ایک بہت مشہور غزل ہے جو انھوں نے اخلاق دہلوی کے ایک طرحی مشاعرے کے لیے کہی تھی یہ مشاعرہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۰۱ء کو منعقد ہوا تھا، طرح یہ تھی: ''توبہ کا نام لیں مرے دشمن بہار میں'' یہ ایک طویل طرحی غزل ہے، جس میں بشمول مطلع اور مقطع ساٹھ اشعار ہیں، یہ غزل کل سات مطلعوں پر مشتمل ہے، اس سے بھی مولانا آزاد کی قادر الکلامی اور بحیثیت شاعران کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ارکان یہ ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن ۔ بحر کا نام یہ ہے۔ بحر مضارع مثمن غیر سالم یا محذوف۔غزل چھپی تو مولانا کا نام اس طرح آیا ''از خادم العلماء بندہ محی الدین احمد المتخلص بہ آزاد دہلوی مقیم کلکتہ''۔ اختیار، زار، غبار، مزار، جسم زار، داغ دار، انتظار، اقرار یار، گلشن بہار، سبک ونہار، ہزار پروردگار، خاکسار، روزگار، بے قرار، خط غبار، مشک بار، خوش گوار، شب ہائے تار، دیدۂ خونابہ بار، ابروئے یار، اجل کے کنار، مژگان یار، چشم یار، کوئے یار، لحد کے فشار، شمار، بوس وکنار، ستم روزگار، شرم بہار، پھولوں کے ہار، نائدار، جیسے قوافی اور تراکیب اس طرحی غزل میں بڑی خوبی سے استعمال کیے گئے ہیں، یہ ایک طویل غزل ہوتے ہوئے بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ عشق کا جذبہ، معشوق کے حرکات وسکنات اور بہار و خزاں کے اشارے اصلاً مجاز سے حقیقت تک رسائی کے لیے ہیں۔ یہ پوری غزل لطف ولذت

سے لبریز ہے، اس لیے اس کو یہاں قارئین کے لیے پیش کیا جاتا ہے:

غزل

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسم زار میں — اک جان ہے سو وہ بھی ترے اختیار میں

ٹھہری نہ خاک قیس بھی دم بھر مزار میں — پیدا ہوئے ہیں لاکھ بگولے غبار میں

ہے عکس روئے یار دل داغدار میں — کچھ تیرگی نہیں ہے ہمارے مزار میں

کچھ ایسے محو ہو گئے اقرار یار میں — لطف انتظار کا نہ ملا انتظار میں

پیدا ہے رنگ رنگ حسن جوانی سے یار میں — جوبن پہ جس طرح سے ہو گلشن بہار میں

نکلی ہے جان حسرت دیدار یار میں — آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ابھی تک مزار میں

ہو میل کیوں نہ گیسو و رخسار یار میں — روز ازل سے ربط ہے لیل و نہار میں

محفل میں اپنی دیکھ کے مجھ کو وہ کہہ اٹھے — رسوا نہ کیجیے مجھے سو میں ہزار میں

لے نکلے گا تڑپ کے وہ مجھکو بھی قبر سے — میں دل کے ساتھ رہ نہ سکوں گا مزار میں

آتش کدہ گلوں سے بنا ہے تمام باغ — چاروں طرف اک آگ لگی ہے بہار میں

دل دے کے فرض عشق تو ہم کر چکے ادا — جو کچھ ہو اب مشیت پروردگار میں

دو چند اس سے حسن پہ ان کو غرور ہے — جتنا نیاز و عجز ہے مجھ خاکسار میں

یوسف نہ تھا عزیز بہ چشم برادراں — اچھوں کی ہوگی قدر نہ اس روزگار میں

وہ پیاری پیاری شکل وہ انداز دلفریب — رہتا نہیں ہے دیکھ کے دل اختیار میں

کرتے ہو کیوں وہ کام کہ ملتا نہیں ہے چین — رہتے ہو کیوں کسی کے دل بیقرار میں

اے باغبان تو نے یہ کیسا غضب کیا — بلبل کا آشیانہ اجاڑا بہار میں

ایسی بھری ہیں یار کے دل میں کدورتیں — نامہ لکھا ہے مجھکو تو خط غبار میں

ہم کچھ بھی وصف کاکل پیچاں نہ لکھ سکے — مضموں الجھ رہے ہیں قلم مشک بار میں

کچھ بھی نہ اس کے وعدہ خلافی کا رنج ہو — آ جائے موت ہی جو شب انتظار میں

غم ہجر کے سہوں کہ محبت سے ہاتھ اٹھاؤں — افسوس کوئی بات نہیں اختیار میں

اے موت! تو ہی آ، کہ نہ آئیں گے وہ کبھی — آنکھیں ہیں ایک عمر سے وا انتظار میں

تصویر ہی وہ اپنی شب وعدہ بھیج دیں
تکلیف انتظار نہ ہو انتظار میں

افسردگی عاشق بے کس کی حد نہیں
سینے میں دل ہے یا کوئی مردہ مزار میں

خون جگر کے پینے میں آتا ہے جو مزا
وہ ذائقہ نہیں ہے مئے خوشگوار میں

موقوف آرزو پہ ہیں سامان ہجر کے
پہلا سا طول اب نہیں شب ہائے تار میں

سمجھو! کہ کس کو کہتے ہیں تکلیف انتظار
بیٹھو! کبھی جو دیدۂ خوں نابہ بار میں

سودائے زلف رخ میں غضب کا ہے انتشار
اب آ گئے ہیں گردش لیل و نہار میں

فرقت کی رات جس کے تصور میں کٹ گئی
ایسی تھی باڑہ خنجر ابروئے یار میں

کل تک مریض عشق تڑپتا تھا درد سے
جنبش کی تاب آج نہیں جسم زار میں

وہ پوچھتے ہیں نزع میں کیسا مزاج ہے
اب کیا کہوں! زبان نہیں اختیار میں

بیٹھے ہیں آج آپ تو پہلو میں غیر کے
ہم ہوں گے کل عروس اجل کے کنار میں

کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں غیروں کے رات دن
ہیں زلف و رخ کے عشق میں مژگان یار میں

مٹ کر ہوں خاک سرمے کے مانند بھی اگر
پھر بھی کبھی سمائیں نہ ہم چشم یار میں

مجبور ہو کے زیر زمیں جا کے لی پنہ
جب سختیاں اٹھا نہ سکے کوئے یار میں

ہوتے یوں ہی کسی سے ہم آغوش تھے کبھی
آتا ہے ہم کو لطف لحد کے فشار میں

سب آرزوئیں دل کی نکالو شب وصال
دو چار بوسے آج بھلا کس شمار میں

میں آپ سے کدورت غم میں بھی صاف ہوں
منہ دیکھ لیجیے مرے دل کے غبار میں

پوچھا کسی عزیز نے اگر نہ بعد دفن
بتلا کیا گزرتی ہے تجھ پر مزار میں

کہنے لگے کہ آپ کی نیت تو ٹھیک ہے
بیتاب مجھ کو دیکھ کے بوس و کنار میں

شکوہ کریں تو کیا کریں جور و جفا کا ہم
سب عمر کٹ گئی ستم روزگار میں

مرنے کے بعد بھی ہے اسی طرح کشمکش
میں قبر میں ہوں دل ہے مرا کوئے یار میں

تقدیر کے لکھے کو مٹانا محال ہے
کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں

بجلی سی کوند جاتی ہے گھونگھٹ کے آڑ میں
کیا شوخیاں ہیں اس نگہ شرم سار میں

جس کو پہن کے سویا تھا گردن میں وہ حسین
خوش بوئے تازہ پاتا ہوں اس باسی ہار میں

دعوائے عاشقی پہ یہ کہنے لگا وہ بت ۔۔۔ اللہ کی شان! آپ ہیں اس شمار میں
پامال کیجیے گا سمجھ کر ذرا اسے ۔۔۔ ہے آپ ہی کا گھر دل بے اختیار میں
کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں غیروں کے رات دن ۔۔۔ رہتے ہیں ہم تصور مژگان یار میں
مجھ کو شب وصال نہیں ہے خیال ہجر ۔۔۔ آتا نہیں ہے نام خزاں کا بہار میں
تیرے خیال دید نے بیدار کردیا ۔۔۔ جب آنکھ لگ گئی مری دم بھر مزار میں
اچھا ہوا کہ دل بھی گیا جان بھی گئی ۔۔۔ دونوں عذاب تھے مجھے کنج مزار میں
اے دل! خدا کی یاد میں اب صرف عمر ہو ۔۔۔ کچھ کم پھرے صنم کدۂ روزگار میں
چپکے سے جب رقیب کو بیدار واں کیا ۔۔۔ اللہ رے جذب! چونک گئے ہم مزار میں
میرا دل شگفتہ بھی اس نے پرو لیا ۔۔۔ اک پھول اور بڑھ گیا پھولوں کے ہار میں
افشاں کی یاد میں مرا یہ حال ہوگیا ۔۔۔ ذرے بھی سوجھتے نہیں گرد و غبار میں
گر ان پہ اختیار نہیں ہے نہیں سہی ۔۔۔ غم ہے یہی کہ دل بھی نہیں اختیار میں
غیروں کے ساتھ فاتحہ پڑھنے جو آئے ہیں ۔۔۔ یعنی نہ چین پاؤں میں دم بھر مزار میں
دل پہ لگی وہ چوٹ کہ اف کرکے رہ گئے ۔۔۔ ٹوٹا جو گر کے جام کوئی بزم یار میں
سودا نیا جنوں ہے نیا ولولے نئے ۔۔۔ کچھ اور ہی بہار ہے اب کی بہار میں
آزاد کو ہی اپنی تباہی کا کیا ملال ۔۔۔ کس کو قیام ہستی ناپائیدار میں

مولانا آزاد نے ایک اور غزل مولانا محمد یوسف صاحب رنجور عظیم آبادی صادق پوری کی فرمائش پر کہی تھی۔ اس میں ایک مطلع اور ایک مقطع شامل کرکے کل چودہ اشعار ہیں۔ ارکان یہ ہیں: مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلن۔ بحر کا نام بحر مجتث مثمن غیر سالم یا مزاحف ہے۔ جگر، ادھر، کمر، گھر، چارہ گر، بشر، نظر، نامہ بر، کدھر، اثر وغیرہ قوافی ہیں۔ یہ بھی ایک روایتی غزل ہے جس میں محبوب کے ناز و ادا اور جور و ظلم کا بیان انتہائی دلکش انداز میں کیا ہے، یہ پرزور، پراثر اور پرکیف کلام ہے، جو پیش خدمت ہے:

فراق یار میں دل یا جگر کو دیکھتے ہیں ۔۔۔ جدھر لگی ہے ہمیں چوٹ ادھر کو دیکھتے ہیں
جفا کا شوق ہے کہتے ہیں نازکی بھی ہے ۔۔۔ وہ پہلے تیغ کو اور پھر کمر کو دیکھتے ہیں

کھلا ہے منہ جو لحد میں کھلا ہی رہنے دو
جگہ نئی ہے مسافر ہیں گھر کو دیکھتے ہیں

ہمارے درد کو جاتا ہے لا دوا کہہ کر
نگاہ یاس سے ہم چارہ گر کو دیکھتے ہیں

کسی میں تو نظر آ جائے ترا جلوہ
اسی خیال سے ہم ہر بشر کو دیکھتے ہیں

یہاں تک اپنی طبیعت ہے بدگماں ان سے
کہ ان کی بزم میں ہر اک نظر کو دیکھتے ہیں

جوانی آتے ہی ان کو غرور حسن آیا
کچھ اب پھری ہوئی ان کی نظر کو دیکھتے ہیں

یہ کیوں؟ زباں سے ارشاد ہوگا خط کا جواب
کہ نامہ دیکھ کے اب نامہ بر کو دیکھتے ہیں

غضب ہے، دیکھ کے غیروں کو وہ کنکھیوں سے
یہ پوچھتے ہیں کہو! ہم کدھر کو دیکھتے ہیں

ہر اک سخن میں نہاں ہیں وہ صورت معنی
ہم ان کے حسن کے حسن اثر کو دیکھتے ہیں

ستانے کو مجھے کہتے ہیں غیر کی نظریں
یہ وہ نظر ہیں کہ ہم جن نظر کو دیکھتے ہیں

تسلیاں شب فرقت میں دیں گے آخر کار
ابھی ترقی درد جگر کو دیکھتے ہیں

پڑے لچک نہ کہیں راہ میں بوقت خرام
سنبھل سنبھل کے وہ اپنی کمر کو دیکھتے ہیں

وہ خود ہی ہوگئے آزاد طالب دیدار
ہم آہ آہ کے حسن اثر کو دیکھتے ہیں

مولانا آزاد کی ایک مختصر غزل ہے، جو بشمول مقطع صرف چار اشعار پر مشتمل ہے، اس میں مطلع نہیں ہے، ارکان یہ ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر مضارع مثمن غیر سالم۔ شکار، پکار، دار اور پار قوافی ہیں۔ گفتگو اور عام بول چال کے انداز میں سلیس اور متاثر کن اشعار ہیں، بھاری بھر کم یا ثقیل الفاظ کے استعمال سے شاعر دامن کش ہے۔ یہ مختصر غزل مثال کے طور پر پیش کی جارہی ہے:

غزل

کشتہ ہے ان کی ترچھی نظر کی تمام خلق
حیرت ہے ایک تیر کا عالم شکار ہو

پیش خدا کھڑے ہیں وہ محشر میں بے نقاب
کیا ہی مزا ہو اب جو ہماری پکار ہو

کہتا ہے عاشقوں کو ستارے دکھا کے چرخ
سینہ نہ یوں کسی کا کبھی داغدار ہو

آزاد ان کی ترچھی نظر سے نہ خوف کر
یہ تیر وہ نہیں جو کلیجے کے پار ہو

مولانا آزاد کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام میں سب سے پہلی غزل پر شاعر کا نام غلام محی الدین صاحب از کلکتہ لکھا ہوا ہے۔ یہ غزل ارمغان فرخ بمبئی جنوری ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی، اس کے بعد متعدد تذکرہ نگاروں نے اسے اپنے اپنے حوالہ سے درج کیا ہے۔ مولانا آزاد کے بیان کے مطابق اس غزل کے ۱۷ شعر انہوں نے منتخب کر کے بھیجے تھے لیکن ارمغان فرخ کے ایڈیٹر حکیم عبدالحمید فرخ دہلوی نے اس غزل کے صرف چار شعر ہی شائع کیے۔ اس غزل کا مطلع اور مقطع ایڈیٹر کے معیار پر پورا نہ اترتا تھا ارمغان آزاد میں شاہجہاں پوری نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ص ۵۱ پر لکھا ہے کہ ''اس غزل کا مطلع و مقطع اور چھٹا شعر مولانا نے مولانا غلام رسول مہر کے نام ایک خط مورخہ ۳/ دسمبر ۱۹۳۶ء میں (نقش آزاد ص ۱۰۷) تحریر فرمایا تھا۔ غزل کا تیسرا شعر جو ارمغان فرخ میں درج ہے مولانا کی بہن فاطمہ بیگم عرف آرزو بیگم نے ایک انٹرویو میں خواجہ احمد فاروقی کو بہ تغیر ادنیٰ سنایا تھا اس کا پہلا مصرع اس طرح تھا: ''ہوں نرم دل کہ دوست کے مانند رو دیا''، بشمول مطلع و مقطع اس میں کل سات اشعار ہیں، طرح یہ تھی: پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی'' اس کے ارکان یہ ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر مضارع مثمن غیر سالم یا مزاحف۔ زبان، آسماں، بیاں، پان اور اور سائبان قوافی ہیں جبکہ ردیف کی رکھی گئی ہے، آسماں اور زبان کے قوافی دہرائے گئے ہیں، مولانا آزاد نے جب یہ غزل کہی تھی، اس وقت ان کی عمر بہت کم تھی تاہم اس صغر سنی میں ''آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ'' جیسی گرہ لگا کر انہوں نے ''پوچھی زمین کی تو کہی آسماں کی'' والے مصرع کی طرح کو اپنا بنا لیا تھا۔ اس سے آزاد کی قوت شعر گوئی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا آزاد کی یہ پہلی غزل پیش خدمت ہے:

غزل

نشتر بہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی ۔۔۔ نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی

یوں تو جہاں میں قاتل و جلاد ہیں بہت ۔۔۔ تم فرد ظلم میں ہو قسم آسمان کی

وہ نرم دل ہوں دوست کے مانند رو دیا ۔۔۔ دشمن نے بھی جو اپنی مصیبت بیان کی

بر لایئے کبھی نہ کبھی تو مراد دل ۔۔۔ لے لیجیے دعائیں کسی بے زبان کی

خجلت کے مارے لعل یمن ہو گیا سفید ۔۔۔ ان کے لبوں پہ دیکھ لی سرخی جو پان کی

گنبد ہے گرد باد تو ہے شامیانہ گرد　　شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی
آزاد بے خودی کے نشیب وفراز دیکھ　　پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

مولانا آزاد کی ایک اور غزل صرف پانچ اشعار پر مشتمل ہے، اس میں دو مطلع اور ایک مقطع ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں: مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعولن۔ بحر کا نام: بحر ہزج مثمن خرب مکفوف مقصور محذوف۔ ادا، مزا، بسا، جلوہ نما، ہوا اور سنا قوافی ہیں جبکہ ردیف ''اور ہی کچھ ہے'' رکھی گئی ہے۔ قافیہ ادا، دو اشعار میں مستعمل ہے، آزاد کے یہ اشعار عاشقانہ سرمستی سے سرشار ہیں۔ جہاں عاشق مجبور ہے اور حسن تمام تر اداؤں کے ساتھ جلوہ افروز ہے جس کے دام گیسوئے پیچاں میں آزاد گرفتار ہیں، غزل کے ناز و انداز سے آپ بھی لطف اندوز ہوں:

غزل

ان شوخ حسینوں کی ادا اور ہی کچھ ہے　　ایسوں کی اداؤں میں مزہ اور ہی کچھ ہے
یہ دل ہے مگر دل میں بسا اور ہی کچھ ہے　　دل آئینہ ہے جلوہ نما اور ہی کچھ ہے
ہم آپ کی محفل میں نہ آنے کو نہ آتے　　کچھ اور ہی سمجھتے تھے ہوا اور ہی کچھ ہے
بے خود بھی ہیں ہوشیار بھی ہیں دیکھنے والے　　ان مست نگاہوں کی ادا اور ہی کچھ ہے
آزاد ہوں اور گیسوئے پیچاں میں گرفتار　　کہہ دو مجھے کیا تم نے سنا اور ہی کچھ ہے

مولانا آزاد کی ایک غزل کا شمار ان کی طویل غزلوں میں ہوتا ہے، اس میں کل ۳۳ اشعار ہیں، دو مطلع اور دو مقطع ہیں۔ زیر نظر غزل بھی مولانا آزاد کی قادر الکلامی کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن اور بحر کا نام یہ ہے: بحر رمل مثمن غیر سالم یا مذاحف یا محذوف۔ لاحاصل، منزل، مشکل، پردۂ حائل، دل ناقل، محمل، لاطائل، سائل، کف قاتل، محفل، آب وگل، قاتل۔ قوافی دل، آب وگل اور محفل وغیرہ کئی اشعار میں تکرار کے ساتھ مستعمل ہیں۔ مولانا آزاد کی یہ غزل عاشقانہ اور متصوفانہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ جہاں خودسپردگی کا جذبہ کارفرما ہے یہ طویل ترین غزل قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے:

غزل

وہ مقدر میں نہیں ہے جو ہمارے دل میں ہے　　اب خیال سعی حاصل سعی لاحاصل میں ہے

میرے دل میں ہے نہ وہ اغیار کی محفل میں ہے
یا الٰہی اب مقام دوست کس منزل میں ہے

وصل سے انکار ان کو، یاں تمنائے وصال
واں وفا مشکل میں ہے، یاں آرزو مشکل میں ہے

اک قدم بڑھتا ہوں تو بڑھتی ہے منزل دو قدم
یا الٰہی! کس کا بخت نارسا منزل میں ہے

آتشیں جلوے ادھر ہیں آہ شعلہ زن ادھر
مژدہ اے ذوق نظر! کیا پردۂ حائل میں ہے

اس کا گھر اس کا تصور اس کی یاد اس کا خیال
یا ہماری آنکھ میں ہے یا ہمارے دل میں ہے

وہ ہوں اور ہو رنجش اغیار! ہے بالکل غلط
کچھ نہ کچھ طرزِ شرارت طینت ناقل میں ہے

حسن پردہ در ہوا پیش نگاہ رخنہ گر
قیس جنگل میں، نہ لیلیٰ پردۂ محمل میں ہے

بیٹھے بیٹھے یا الٰہی ! یاد کس کی آ گئی
آنکھ میں آنسو بھرے ہیں درد کچھ کچھ دل میں ہے

راز الفت کھل گیا باطن جو تھا ظاہر ہوا
اب تو ہے سب کی زباں پر جو ہمارے دل میں ہے

حور جنت کے یہاں سے آ گئی یاد بتاں
یہ اثر واعظ! تری تقریر لا طائل میں ہے

ایک حسرت دل سے نکلی ایک حسرت رہ گئی
ایک پیکاں دل سے نکلا، ایک پیکاں دل میں ہے

چھوڑ بھی سکتے نہیں اور ضبط بھی ممکن نہیں
عشق کے ہاتھوں ہماری جان کس مشکل میں ہے

ڈر رہا ہے گو سوال وصل کی ہمت نہیں
پھر بھی کچھ اٹکا ہوا مطلب لب سائل میں ہے

بعد مدت کے مرادل پھیرتے ہیں ہائے ہائے
سن لیا دشمن سے کوئی آرزو اس دل میں ہے

ہم تو سن لیتے ہیں جی بھر کر تمہاری گالیاں
تم بھی سن لو بندہ پرور! جو ہمارے دل میں ہے

المدد اے المدد! شوق شہادت المدد
مژدہ باد اے مرگ! خنجر پھر کف قاتل میں ہے

دختِ رز کا ذکر ہے یاں، حور کا ہے واں بیاں
میکدے میں ہے وہی جو شیخ کی محفل میں ہے

کیا کریں مجبور ہو کر نذر کر دیتے ہیں جاں
لب پہ آسکتی نہیں وہ بات جو قاتل میں ہے

ہوں تمہارا مدعی اور گرد راہ مدعا
خاکساری، پائمالی، میرے آب وگل میں ہے

اب تو ہم سر مست صہبائے محبت ہو چکے
کیف مئے آنکھوں میں ہے جوش مسرت دل میں ہے

سخت جانی! تو نہ ہمت ہار یوں ہنگام قتل
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

قبر پر آ کر وہ کہتے ہیں یہ کس افسوس سے
مرنے والے کی جگہ خالی مری محفل میں ہے

غیر کی دعوت میں بے حد ہے خیال انتظام
اک قدم محفل سے باہر، اک قدم محفل میں ہے

سیکڑوں صدمے، ہزاروں درد، لاکھوں آفتیں ایک جاں عاشق کی، اے اللہ! کس مشکل میں ہے
واہ کیا خوب! آپ نے سیکھی ہے یہ تیر افگنی زد میں ہے سوفار اور پیکاں ہمارے دل میں ہے
جب کوئی دیکھا حسیں فوراً دل اس پر آ گیا سخت ہوں حیراں کہ یہ کیا چیز آب و گل میں ہے
ہو گیا تیر محبت کا اثر دونوں طرف کچھ تمہارے دل میں ہے اور کچھ ہمارے دل میں ہے
ہم نے کثرت میں وہی دیکھا ہے جو وحدت میں ہے ہم کو خلوت میں وہی ہے لطف جو محفل میں ہے
دوستی منہ پر عداوت دل میں یہ بہتر نہیں منہ پہ کیوں کہتے نہیں جو کچھ تمہارے دل میں ہے
ہے دل آزاد اک مہماں سرائے مہوشاں ڈھونڈ جسے جس مہ جبیں کو صورت اسی کی دل میں ہے
کچھ اثر آزاد میرے جذب الفت نے کیا آج سنتا ہوں وہاں بھی بے قراری دل میں ہے

مولانا آزاد کی دو اور دو رباعیاں ہیں، جن کا عنوان کلام آزاد ہے۔ جبکہ ذیلی عنوان کے تحت ''نو تصنیف رباعیتین'' لکھا ہوا ہے پہلی رباعی میں مولانا آزاد کو اپنے چپ رہنے پر حیرت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جناب آزاد کیوں چپ ہیں اور رشتہ داروں کے طعن سن رہے ہیں۔ اس میں سہتے، رہتے اور کہتے قوافی، جبکہ ہیں ردیف ہے۔ رباعی پیش کی جا رہی ہے:

کیوں طعنۂ خویش و اقربا سنتے ہیں ہے بات کوئی کہ آپ چپ رہتے ہیں
ہیں کس کے خیال میں جناب آزاد سنتے ہیں کسی کی اور نہ کچھ کہتے ہیں

مولانا آزاد کی دوسری رباعی بھی پیش خدمت ہے۔ اس میں شاعر کو اپنے بچپن اور جوانی کے کھونے کا افسوس ہے۔ ایک بڑھاپا بچ گیا تھا، جسے موت نے آ کر چھین لیا شاعر کو اس بات کا بھی ملال ہے۔ اس میں طفلی، جوانی، اور بھی کو قوافی قرار دیا گیا ہے جبکہ ردیف نہ رہی مقرر کی گئی ہے۔ یہ رباعی بھی خوب ہے:

افسوس وہ بے غمی کی طفلی نہ رہی افسوس وہ عیش کی جوانی نہ رہی
لے دے کے رہی تھی ایک پیری اے مرگ تو کیا آئی کہ ہائے وہ بھی نہ رہی

ایک رباعی میں مولانا آزاد نے بتایا ہے کہ واعظ کو وعظ کرنے اور انہیں مسلسل شراب پینے کی لت ہے، یہ سب کی اپنی اپنی چاہت اور پسند یا شوق ہے۔ سبھوں کو اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا شوق مبارک ہو۔ مطلع یعنی پہلے دو مصرعوں میں برا اور اپنا قوافی ہیں جبکہ چوتھے اور آخری

مصرعے میں ''کا'' قافیہ ہے۔ملاحظہ ہو:

کیوں ہے یہ خراب اور کیوں ہے یہ برا چاہ اپنی ہے شوق اپنا اپنا
ہے وعظ کی لت اسے ہمیں شراب مدام اس کو اس کا ہے شوق ہم کو اس کا

ایک رباعی میں مولانا آزاد نے اپنے محبوب کی رقیب سے ملاقات اور اس کی خاطر، تواضع نیز مدارات کا ذکر کیا اور بظاہر اپنی لاتعلقی کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ اپنے معشوق سے لاتعلق یا بے نیاز نہیں ہیں۔اس رباعی میں ملاقاتیں اور باتیں قوافی ہیں اور ہیں کی ردیف رکھی گئی ہے۔:

سنتے ہیں رقیب سے ملاقاتیں ہیں صحبت دن رات ہے مداراتیں ہیں
ہم کو نہیں اعتبار جو چاہو کہو عاشق سے وہ منہ لگائے یہ باتیں ہیں

ایک رباعی میں مولانا آزاد نے اپنی جوانی کا قصہ بیان کرتے ہوئے اس کی یاد کو نوحہ خوانی قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جوانی کی یاد ان کے لیے دشمن جانی ہے۔اس رباعی میں جوانی اور جانی قوافی طے کیے ہیں جبکہ میرا کی ردیف ہے:

آفت جاں ہے قصۂ جوانی میرا ظاہر ہے حال نوحہ خوانی میرا
اک جان بچاؤں میں کس طرح آزاد دل کا دشمن ہے یاد جانی میرا

مولانا آزاد نے ایک رباعی میں ساقی کو مخاطب کرتے ہوئے جوش وخروش کو اتفاقی کہا ہے۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب زندہ دلی بھی باقی نہیں ہے، مے خانے میں وہ تبدیلیاں آئی ہیں کہ مے خوار مے خوار نہ رہا اور ساقی ساقی نہ رہا۔دراصل یہ دنیا کی حقیقت ہے جو کبھی ایک رنگ پر نہیں رہتی۔اس میں ہر آن تبدیلیاں آتی رہتی ہیں یہی اس دنیا کا طریقہ ہے۔اس رباعی میں اتفاقی، باقی اور ساقی کے قوافی پر مشتمل ہے، جبکہ لفظ ساقی اس کی ردیف ہے، حسن تکرار اور صوتی آہنگ سے اس رباعی میں بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے، ایک جھنکار ایک خوبصورتی پیدا کردی ہے، ''جوش و خروش''، ''اتفاقی ساقی''، ''باقی ساقی'' اور ''ساقی ساقی'' اس کی عمدہ مثالیں ہیں جو اس رباعی میں موجود ہیں۔

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی اب زندہ دلی کہاں ہے، باقی ساقی
مے خانے نے رنگ روپ بدلا ایسا مے کش مے کش رہا نہ ساقی ساقی

مولانا آزاد کا ایک فی البدیہ قطعہ ہے۔جس میں سات اشعار ہیں۔ہوتا آتا اور ملتا وغیرہ قوافی ہیں جبکہ ہی نہیں ردیف ہے۔اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن،فعلاتن،فعلاتن فعلن اور بحر کا نام: بحر رمل مثمن مخبون محذوف۔اس قطعہ میں مولانا آزاد نے اپنے ایک رفیق سے مکالمہ کیا ہے، مولانا آزاد کے دوست کو یہ شکوہ ہے کہ وہ وعدہ تو کرتے ہیں لیکن اپنا وعدہ کبھی وفا نہیں کرتے ،کبھی معینہ وقت پر نہیں آتے ،انہوں نے اپنے دوست کے شکوے کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیندہ ٹھیک آٹھ بجے آؤں گا،اب اگر حاضر نہ ہوا تو کہا کہ میں نہیں آتا لیکن میں تو وقت ہوں، جب ملوں تو غنیمت جانو اور اگر نہ مل سکوں تو ہاتھ مل کر رہ جاؤ۔

اس قطعہ سے مولانا کے ممدوح علامہ شبلی کی یاد بھی آجاتی ہے کہ انداز صاف شبلوی ہے۔

گر چہ ہے وعدہ خلافی میری ثابت تم پر — اور وعدہ میرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں
پھر جو وعدہ بھی ہو پورا تو یہ شکوہ ہے تمہیں — کہ کبھی وقت معین پہ میں آتا ہی نہیں
یعنی فی الجملہ نتیجہ یہ نکالا تم نے — میں گیا وقت ہوں جاتا ہوں تو آتا ہی نہیں
وقت کہتے ہو مجھے سچ ہے مگر یہ تو کہو — پہلے تو وقت میسر کبھی ہوتا ہی نہیں
اور میسر ہو تو پھر قدر کرو قدر کرو — کہ جو جاتا ہے تو پھر حشر تک آتا ہی نہیں
میں تو ہوں وقت ملو گر تو غنیمت سمجھو — میں سمجھا ہوں تمہیں وقت کہ ملتا ہی نہیں
آؤں گا آٹھ بجے ٹھیک میں انشاء اللہ — پھر نہ کہنا مجھے رنجور کہ آتا ہی نہیں

ایک قطعہ تین اشعار یا چھ مصرعوں پر مشتمل ہے،اس میں انہوں نے لوگوں کو عقبیٰ کی فکر پر دلائی ہے،ایک شخص جو اپنی قبر بنا کر اسے دیکھتا ہے اور ملول نظر آتا ہے، دنیا اسے دیوانہ کہتی ہے، لیکن شاعر نے اسے ہوشیار قرار دیا ہے، یہ ایک نصیحت آموز قطعہ ہے۔اس کے ارکان یہ ہیں: مفعول،فاعلات،مفاعیل،فاعلن اور بحر کا نام یہ ہے: بحر مضارع مثمن غیر سالم۔اس قطعہ میں مطلع نہیں ہے بلکہ تین اشعار یا چھ مصرعے ہیں ، بے قرار، زار زار اور ہوشیار قوافی ہیں جبکہ ”تھا“ کی ردیف ہے۔قطعہ اس طرح ہے:

آزاد کل جو سیر کو صحرا کی میں گیا — دیکھا کہ ایک شخص وہاں بیقرار تھا
اپنی بنا کے قبر اسے دیکھتا تھا وہ — پھر دیکھ کر اسے وہ بہت زار زار تھا

کہتی تھی اس کو خلق کہ دیوانہ ہو گیا دیکھا جو میں نے ایک ہی وہ ہوشیار تھا

مولانا آزاد کا ایک قطعہ حضرت امیر مینائی کے دو مصرعوں پر تضمین ہے، اس لیے قطعہ سے پہلے تضمین بر مصرعہائے حضرت امیر مینائی کا نوٹ لکھا ہوا ہے، حضرت امیر مینائی کے دونوں مصرعے دواوین میں لکھے ہوئے ہیں۔ "مجھ مست کو مئے کی بو بہت ہے" دوسرا مصرعہ اور چوتھا مصرعہ "دیوانے کو ایک ہو بہت ہے" حضرت امیر مینائی کے ہیں، مولانا آزاد کی بندش، گرہ یا تضمین چست، درست اور خوب ہے:

چھیڑو نہ مجھے کہ ہم صفیرو "مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے"
مجھ سے نہ کہو فسانۂ قیس "دیوانے کو ایک ہو بہت ہے"

ایک قطعہ مولانا آزاد نے حضرت امیر مینائی کے سانحہء ارتحال پر کہا تھا، اس میں کل نو اشعار ہیں، مقطع کے مصرع ثانی "جگر سوز بزم سخن بے امیر" سے حضرت امیر مینائی کا سال وفات ۱۳۱۸ھ نکالا ہے، اس کے ارکان یہ ہیں، فعولن، فعولن، فعولن، فعل یا فعول اور بحر کا نام یہ ہے: بحر متقارب مثمن مقصور محذوف۔ نو اشعار پر مشتمل مولانا آزاد کے قطعہ تاریخ انتقال حضرت امیر مینائی میں ردیف نہیں بلکہ قوافی ہی قوافی ہیں، جن میں، بے نظیر، بدر منیر، گنج خطیر، دل پذیر، صغیر و کبیر، سودا و میر، رب قدیر، خمیر اور امیر شامل ہیں۔ زبان عالمانہ اور انداز خطیبانہ ہے، طور سخن، سپہر معانی، بدر منیر، گنج خطیر، امیر اللغات، رب قدیر، اور بزم سخن کی تراکیب اس قطعہ کے زیب و زینت اور محاسن شعری میں اضافے کا باعث ہیں۔ قطعہ ملاحظہ ہو:

دریغا امیر احمد لکھنوی کہ تھے ہند میں شاعر بے نظیر
وہ طور سخن کے تھے گویا کلیم سپہر معانی کے بدر منیر
فراہم کیا شاعروں کے لیے تصانیف سے اپنی گنج خطیر
فصیح و بلیغ و متیں سب کلام ہر اک شعر دیوان کا دل پذیر
لغت میں لکھا وہ امیر اللغات ہیں مداح جس کے صغیر و کبیر
سمجھتے وہی لوگ ہی ان کی قدر اگر ہوتے اس وقت سودا و میر
صد افسوس دنیا سے وہ چل بسے کرے مغفرت انکی رب کبیر

دکن کھینچ کر لے گئی ان کو موت اسی سرزمیں کا تھا شاید خمیر

لکھو ان کی رحلت کا آزاد سال

جگر سوز بزم سخن بے منیر

(۱۳۱۸ھ)

مولانا آزاد نے ایک قطعہ مولوی عبدالرحیم کی تصنیف ''تذکرۂ صادقہ'' کی تاریخ تصنیف کو یادگار بنانے کے لیے کہا تھا، یہ تذکرہ صادق پور کے سلسلے میں ہے، مولانا کا یہ قطعہ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں صادق پور کے احوال لکھے ہوئے ہیں۔ صادق پور کبھی علوم کا گلشن اور بزرگوں کا مسکن رہا ہے، اس تذکرہ کا نقطہ نقطہ خالِ روئے بتاں اور صفحہ صفحہ بیاض صحن چمن کی طرح ہے، یہ قطعہ مجموعی طور پر انیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن، مفاعلن، فعلن یا فعلان۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر خفیف مسدس مخبون غیر سالم یا مخذوف۔ مولانا آزاد کا یہ کلام بھی غیر مردف ہے، اس میں ردیف نہیں ہے، بس قوافی ہیں، جن، وطن، فن، الکن، چمن، سخن، گلشن اور مسکن شامل ہیں، مولانا نے اس قطعہ کی آرائش ''والہان صادق پور''، ''عاشقان رائے وطن''، ''صاحب علم و ماہر ہر فن''، ''خال روئے بتاں''، ''بیاض صحن چمن''، ''جائے سخن''، ''عاشقان وطن'' کی تراکیب سے کی ہے۔ علاوہ ازیں شمع بزم کمال، گردش دوراں وغیرہ جیسی دیگر تراکیب بھی اس میں استعمال کی گئی ہیں۔ مخزن، روشن، معدن، چلن، تعجیلاً، فوراً، وغیرہ دیگر قوافی ہیں جو اس کلام میں مستعمل ہیں، آزاد کے یہ اشعار دریا کے مانند رواں دواں ہیں جہاں تمام شعری اوصاف دیکھے جاسکتے ہیں اس میں آزاد شاعری کی وسعت بھی ہے مثنوی کا پھیلاؤ بھی اور قطعہ کی گہرائی بھی، مقطع کے مصرع ثانی ''ہے طراز ندہ ذکر اہل وطن'' سے سال تصنیف ۱۳۱۹ھ نکلتا ہے۔ قطعہ پیش خدمت ہے:

مژدہ اے والہان صادق پور مژدہ اے عاشقان روئے وطن

حضرت مولوی ''عبدِ رحیم'' صاحب علم و ماہر ہر فن

تذکرہ یہ انہوں نے لکھا ہے جس کی تعریف میں زباں الکن

نقطہ نقطہ ہے خال روئے بتاں صفحہ صفحہ بیاض صحن چمن

واقعات صحیح لکھتے ہیں جس میں کچھ بھی نہیں ہے جائے سخن

تذکرہ یہ وطن کا لکھا ہے اس پہ شیدا عاشقان وطن
اس میں لکھا ہے حال صادق پور جو کبھی تھا علوم کا گلشن
جو بزرگوں کا تھا کبھی ملجا جو بزرگوں کا تھا کبھی مسکن
عالم و فاضل و ادیب و حکیم الغرض کاملوں کا تھا مخزن
شمع بزم کمال کہیے انہیں جن سے بیت العلوم تھا روشن
ان کو کہیے زر کمال اگر اس کو کہیے کمال کا معدن
ہائے دیکھو یہ گردش دوراں ہائے دیکھو زمانے کے یہ چلن
اک خزاں لوٹ لے گئی سب کچھ اب نہ وہ پھول ہیں نہ وہ گلشن
ہاں فقط یادگار ہیں باقی جن سے اب نام انکا ہے روشن
ان کا ارشاد تھا لکھو تاریخ ان کا اصرار تھا کہ تعجیل
تھی اسی فکر میں پریشانی غور میں تھا کہ ناگہاں فوراً
دل سے آزاد کو ملی تاریخ
ہے طرا زندہ ذکر اہل وطن
(۱۳۱۹ھ)

مولانا آزاد کے دو قطعات اور ہیں، ایک قطعہ اردو میں اور دوسرا فارسی میں ہے، دونوں قطعات چار چار مصرعوں پر مشتمل ہیں، دونوں قطعات میں تاریخ نکالی گئی ہے، اردو میں سال طباعت ''خیر آفاق یہ رسالہ ہے'' سے ۱۳۱۹ = ۱۳۱۸ + ۱ ہجری نکلتا ہے، جبکہ فارسی قطعہ میں سال طباعت ''سرمہ چشم ناظریں بادا'' سے ۱۳۲۰ = ۱۳۱۵ + ۵ ہجری نکالا گیا ہے۔

دونوں قطعات ایک ہی بحر میں ہیں اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن، مفاعلن، فعلن یا فعلات، بحر کا نام یہ ہے: بحر خفیف مسدس مخبون غیر سالم۔ پہلے قطعہ کے قوافی مقالہ، حوالہ اور رسالہ ہیں جبکہ لفظ ''ہے'' اس کی ردیف ہے، دوسرے قطعہ میں بادا ردیف اور آفرین نیز ناظرین قوافی ہیں۔ خیر آفاق اور کتاب نفیس، کی تراکیب قابل داد ہیں۔ دونوں قطعات حسب ذیل ہیں:

اس رسالہ کی کس سے ہو تعریف واقعی فیض کا مقالہ ہے

ہر روایت ہے مستند اس کی معتبر اس کا ہر حوالہ ہے
سر سے آزاد لکھ دو ہجری سال خیر آفاق یہ رسالہ ہے
(۱۳۱۹=۱۳۱۸+۱ھ)

تاریخ طبع کتاب مذکور چاپ کردند ایں کتابِ نفیس
فکر شاں را صد آفریں بادا از لب (۵+)ہاتف ایں ندا آمد
سرمۂ چشم ناظریں بادا
۱۳۲۰=۱۳۱۵+۵

مولانا آزاد نے ملک معظم کے جشن تاجپوشی کے موقع پر ایک قطعۂ تاریخ کہا تھا۔اس سے جشن تاجپوشی کا سال ۱۳۲۰ھ نکلتا ہے،اس کے ارکان یہ ہیں: مفاعیلن،مفاعیلن،فعولن اور بحر کا نام یہ ہے: بحر ہزج مسدس مقصور محذوف۔ جب،اور،اب،قوافی ہیں جبکہ تاجپوشی ردیف ہے مولانا آزاد نے یہ قطعہ بہت ہی آسان زبان میں کہا ہے،صرف ایک ترکیب ''فضل الٰہی'' اس قطعہ میں مستعمل ہے۔

قطعہ تاریخ جشن تاج پوشی حضور ملک معظم

ہوئی لندن میں از فضل الٰہی
نہایت شان سے جب تاجپوشی
کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے
مبارک شاہ کو اب تاج پوشی
(۱۳۲۰ھ)

مولانا آزاد نے ایک قطعہ مولوی احمد کبیر کے سانحۂ ارتحال پر کہا تھا،اس قطعہ میں کل نو اشعار ہیں،اس قطعہ کے ایک مصرعہ'' تھے بڑے درویش کامل اہل حال'' سے سال وفات ۱۳۱۹ ہجری نکلتا ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں؛ فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن، یا فاعلان۔ اس کے قوافی، لازوال، ذوالجلال، بدرکمال، بال بال، آیا خیال، ثقال، زوال، اوراہل حال ہیں۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر رمل مسدس غیر سالم یا محذوف۔ یہ قطعہ اس عنوان سے شائع ہوا:

قطعۂ تاریخ از اثر خامہ خادم العلماء ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی مقیم کلکتہ

تھے معظم مولوی احمد کبیر دے گئے دنیا کو رنج لا زوال
عاشق صادق رسول اللہ کے جاں نثار حسن رب ذوالجلال
ماہر تفسیر و اسرار حدیث تھے سپہر علم کے بدر کمال
لب پہ ہر دم ان کے تھا ذکر رسول ذاکر اللہ ان کا بال بال
تھا خیال اللہ کا ہر دم انہیں گر خیال آیا یہی آیا خیال
دوڑے خوش خوش عشق میں حق کی طرف جب کہا حق نے انہیں عبدی تعال
جس سے پھیلی تھی جہاں میں روشنی ہو گیا اس بدر کامل کا زوال
ہے دعا آزاد کی ہر دم یوں ہی ان پہ رحمت ہو تری اے ذوالجلال
سالِ رحلت یہ ملائک نے کہا تھے بڑے درویش کامل اہل حال
(۱۳۱۹ھ)

مولانا آزاد کے چار ابیات فرد ملتے ہیں۔ پہلے شعر کے ارکان یہ ہیں: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر مضارع مثمن مخذوف۔ دوسرے شعر کے ارکان: فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن۔ بحر کا نام: بحر رمل مثمن مخذوف۔ تیسرے شعر کے ارکان: مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعولن۔ بحر کا نام: بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف۔ چوتھے شعر کے ارکان: فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن۔ بحر کا نام: بحر رمل مثمن مخذوف۔ ان ابیات کی تزئین مولانا آزاد نے گلشن سخن، بہار گلستاں اور راز الفت جیسی تراکیب سے کی ہے۔ اشعار ترتیب کے ساتھ درج کیے جارہے ہیں:

(۱) اے گلشن سخن کے ہوا خواہ شائقو آؤ مزے بہار گلستاں کے لوٹ لو
(۲) راز الفت کھل گیا باطن جو تھا ظاہر ہوا اب تو ہے سب کی زباں پر جو ہمارے دل میں ہے
(۳) ہوتا ہے مجازی سے حقیقت کا توصل ہے نفع بھی اس عشق کے ہمراہ ضرر بھی
(۴) بھاگتی پھرتی تھی دنیا طلب کرتے تھے ہم اب کے جب نفرت ہوئی خود بیقرار آنے کو ہے

مولانا آزاد کے تین اور اشعار بھی فرد ہیں۔ پہلا مطلع کی شکل ہے۔ تینوں ابیات کے

ارکان بحر اور قوافی ور دیف الگ الگ ہیں۔ پہلا شعر بشکل مطلع ارکان: مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلن یا فعلان۔ دوسرے شعر کے ارکان: فاعلاتن، فعلاتن، فعلاتن، فعلن۔ تیسرے شعر کے ارکان: مفعول، فاعلات، مفاعیل، فاعلن۔ بحر کا نام: بحر مضارع مثمن غیر سالم۔ پہلا بیت جو بشکل مطلع ہے اس میں کام اور دوام قوافی جبکہ نہیں ردیف ہے۔ ان تینوں ابیات میں صرف ایک ترکیب وعدۂ وصل استعمال ہوئی ہے۔ مذکورہ ابیات ترتیب کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں — ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

وعدۂ وصل بھی اک طرفہ تماشے کی ہے بات — میں تو بھولوں نہ کبھی ان کو کبھی یاد نہ ہو

غنچوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی — سینچا ہے کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

ایک شعر اور ہے جس کے ارکان: فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلتن ہیں۔ بحر کا نام: بحر رمل مثمن غیر سالم یا مزاحف۔ اس ایک شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کو ظالم کہہ کر مخاطب کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی تصویر کا بھی یہ عالم ہے کہ اس پر نگاہ نہیں جمتی گویا اس کی تصویر بھی آئینے کا جوہر ہے۔ مولانا آزاد کا یہ شعر اثر بن یحییٰ انصاری نے اپنی تالیف ''مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری'' میں خدنگ نظر لکھنؤ جنوری ۱۹۰۱ء کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے ارمغان آزاد کے صفحہ ۹۴ پر اسے ایک شعر کے عنوان سے تحریر کیا ہے شعر پیش خدمت ہے:

وقت نظارہ نہیں جمتی کبھی اس پر نگاہ — جوہر آئینہ ہے ظالم تری تصویر بھی

ایک اور شعر مولانا آزاد کا ہے یا کسی اور کا، تحقیق طلب ہے، مولانا نے اسے اپنا شعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے لیکن مولانا حسرت موہانی نے اسے ان کے دیوان کے انتخاب میں نقل کیا ہے۔ اس کے ارکان یہ ہیں: فاعلاتن، فعلاتن، فعلاتن، فعلن۔ بحر کا نام یہ ہے: بحر رمل مثمن مخبون محذوف۔ اس شعر کو ارمغان آزاد میں بھی جگہ دی گئی ہے اور شاہجہاں پوری نے اس شعر کے متعلق ارمغان آزاد کے صفحہ ۷۰ پر یہ نوٹ لگایا ہے ''رانچی میں نظر بندی سے رہائی کے وقت اواخر ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء اسی مضمون کا ایک شعر نواب خان بہادر خاں بہادر مصروفؔ کا ہے، خان بہادر خان نواب ذوالفقار خان کے بیٹے اور روہیل کھنڈ کے حکمراں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پوتے تھے ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں حصہ لینے کے جرم میں ۲۴/ مارچ ۱۸۶۰ء کو انہیں بریلی میں پھانسی

دے دی گئی تھی، مولانا حسرت موہانی کو ان کا دیوان مل گیا تھا اور انہوں نے اردوئے معلیٰ کانپور شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۲۷ء میں اس کا انتخاب شائع کر دیا تھا، ممکن ہے مولانا نے اسے مصروف کے شعر کی حیثیت سے پڑھا ہو اور حافظے میں یہ شعر اسی طرح محفوظ ہو مولانا نے اپنا شعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، یہ شعر مصروف کا ہے یا مولانا کا محققین ثابت کرنے سے قاصر ہیں، مذکورہ شعر آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے:

قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو جا، میں نہیں جانے کا (مولانا آزاد)

قصد کرتا ہوں تیرے گھر سے جو میں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا (مصروف)

اخبار علمیہ

''انوکھی جانماز''

ایک خبر کے مطابق ترکی کے ایک شخص نے روشن دھاگوں کی مدد سے ایک ایسی جانماز تیار کی ہے جس کا نظام سمت قبلہ کے مطابق کام کرتا ہے۔جانماز کی سمت جتنی زیادہ قبلے کی جانب ہوتی جائے گی دھاگوں میں روشنی اسی قدر بڑھتی جائے گی اور مکمل طور پر قبلہ رخ ہونے پر وہ پوری طرح روشن ہوجائے گی۔اس کو ایک بین الاقوامی نمائش میں پیش کیا گیا تو زائرین نے اس ایجاد کو خوب سراہا۔(احمد ٹائمز، ستمبر ۲۰۱۵ء)

''شاہین ٹو نامی سوپر کمپیوٹر''

پہلی بار مشرق وسطی میں تیار کیا جانے والا ایک سوپر کمپیوٹر دنیا کے دس طاقتور ترین کمپیوٹروں کی فہرست میں شامل ہوگیا ہے۔جس کا نام ''شاہین ٹو'' ہے اور یہ کنگ عبداللہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی میں موجود ہے۔اس میں کرے xc40 نمی پروسیسر نصب ہے اور یہ دنیا کا ساتواں طاقت ور ترین کمپیوٹر ہے۔چین کا ''تائن ہے ۲'' نے اپنا پہلا درجہ برقرار رکھا ہے۔کنگ عبداللہ یونیورسٹی نے اس کمپیوٹر کی خریداری، تنصیب اور اس کو چلانے پر آٹھ کرور ڈالر صرف کیا ہے۔اس کی رفتار 5-538 پیٹا فلاپ ہے۔اس میں ۱۷۰۶ پیٹا بائٹ اسٹوریج کی گنجائش اور اس کی مرکزی میموری ۷۹۰ ٹیرا بائٹ پر مشتمل ہے۔ایک پیٹا بائٹ کی رفتار تقریباً چار کھرب حسابات فی سیکنڈ ہے۔اگر یہ کام کسی انسان کے ذریعہ ہوتو اس کے لیے ۳۲ ہزار سال کا وقت درکار ہے۔یہ سوپر کمپیوٹر دو لاکھ پروسیسرز کا استعمال کرتا ہے جو چھ ہزار سے زائد نوڈز کے ذریعہ آپس میں منسلک ہیں۔اس کو معدنیات کی کھوج، معدنی ایندھن اور خام مال کو قابل استعمال بنانے میں مدد کے لیے استعمال کرنے کی تجویز بھی پیش نظر ہے۔(تعمیر فکر، جولائی، اگست ۲۰۱۵ء)

''نیورانز یعنی زندہ دماغ کا تجربہ''

برطانیہ کی ریڈنگ یونیورسٹی کے ماہرین نے ایک ایسا روبوٹ تیار کرنے میں کامیابی

حاصل کرلی ہے جس میں ایک زندہ دماغ نصب ہے۔اسے سائنسی تاریخ کا ایک اہم کارنامہ تصور کیا جارہا ہے۔اس کی مدد سے انسانی دماغ کے کام کرنے کے طریقوں کا پتہ لگایا جائے گا کہ انسانی دماغ کس طرح چیزوں کو اپنی یادداشت میں محفوظ رکھتا اور انہیں کس طرح عمل میں لاتا ہے۔اس میں نصب زندہ دماغ یعنی ''نیورانز'' کئی برقی تاروں سے منسلک ایک خاص پلیٹ پر نصب ہے جس کو''ملٹی الیکٹروڈ ائری'' کا نام دیا گیا ہے۔تقریباً ۶۰ الیکٹروڈ ہیں جو دماغ کے خلیوں میں پیدا ہونے والے پیغامات وصول کرتے ہیں اور اس کی مدد سے روبوٹ کو حرکت یا حرکت کو تبدیل یا قابو کیا جاتا ہے۔اب تک کے تجربات میں اس کے مفید اور بہت دلچسپ نتائج سامنے آئے ہیں۔اس روبوٹ کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس کا مکمل کنٹرول کسی انسانی ہدایت یا کمپیوٹر کے بجائے اس کے اپنے زندہ دماغ کے پاس ہے۔اس منصوبہ سے وابستہ پروفیسر کیوں واروک نے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دماغ کے سیکھنے اور مشاہدات اور تجربات سے متعلق یادداشتوں کو محفوظ و استعمال کرنے کے طریقوں کا علم ہورہا ہے۔ (اخبار مشرق،۱۶؍ستمبر کے شمارے میں تفصیل موجود ہے)

''مچھروں کا پسندیدہ بلڈ گروپ''

ماہرین حیاتیات کی تحقیق کے بعد پتہ چلا ہے کہ مچھر ان لوگوں پر زیادہ حملہ آور ہوتے ہیں جن کا خون O گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔اس کے بعد B اور پھر تیسرے نمبر پر A گروپ کے لوگوں پر مچھروں کی یلغار ہوتی ہے۔اس کی وجہ مختلف بلڈ گروپ کے لوگوں میں پائی جانے والی مختلف قسم کی پروٹین ہیں۔جسم کی جلد سے خارج ہونے والے مادے بلڈ گروپوں کے بارے میں مچھروں کو اطلاع دیتے ہیں۔اس کے بعد وہ اپنے پسندیدہ گروپ والے افراد کو زیادہ نشانہ بناتے ہیں۔(الشفاء،نئی دہلی،اکتوبر ۲۰۱۵ء)

''مریخ پر شیشہ کی دریافت''

ناسا کے سائنس دانوں نے مریخ پر شیشہ کے ان ذخائر کو دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے

جن کی تشکیل اس وقت ہوئی تھی جب شہابوں اور دمدار سیاروں کا تصادم ہوا تھا۔ ماہرین ارضیات شیشوں کے ذخائر کا مطالعہ کرۂ ارض پر قدیم حیاتیات کا پتہ لگانے کے لیے کرتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق شیشوں میں نامیاتی سالمات کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس دریافت نے سائنس دانوں کے اس خیال کو تقویت پہنچانے میں مدد کی ہے کہ ماضی میں مریخ پر اجنبی مخلوقات کا وجود تھا۔ (تعمیر فکر، جولائی، اگست ۲۰۱۵ء)

''طلبہ کے لیے انٹرنٹ ضرر رساں''

ایک تجزیاتی جائزہ میں کہا گیا ہے کہ کثرت سے انٹرنیٹ استعمال کرنے والے طلبہ کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں نفسیاتی مسائل و امراض پیدا ہونے کے امکانات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ ایسے طلبہ میں ڈپریشن اور تنہائی کا شکار ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوتا جارہا ہے۔ ۱۸ سے ۳۰ سال کے ۵۱۶ طالب علموں کے معمولات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ آن لائن رہنے والے طلبہ کے نتائج خراب آئے اور ان کے ذہنی تناؤ کی کیفیت بھی ان سے مختلف تھی جو انٹرنیٹ کو کم استعمال کرتے تھے۔ (تفصیل احمد ٹائمز، ستمبر ۲۰۱۵ء میں دیکھی جاسکتی ہے)

''ہر سال ۸ لاکھ افراد کینسر سے متاثر''

کینسر سے متاثر مریضوں کے لیے کام کرنے والی تنظیم بی سی پی بی ایف (بریسٹ کینسر پیشنٹ بنیفٹ فاؤنڈیشن) کے مطابق ہندوستان میں ہر سال ۸ لاکھ سے زیادہ افراد کینسر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ فاؤنڈیشن کے سربراہ ڈاکٹر سمیر کول نے یو این آئی کو بتایا کہ حکومتوں کی طرف سے کم توجہ دینے کے سبب ترقی پذیر ممالک میں یہ جان لیوا مرض اپنے پاؤں تیزی سے پھیلاتا جارہا ہے اور ایک تخمینہ کے مطابق صرف ہندوستان میں ۵ لاکھ سے زیادہ افراد ہر سال اس بیماری سے جاں بحق ہوجاتے ہیں۔ ۲۰۱۵ء کے آخر تک یہ تعداد ۷ لاکھ تک پہنچ سکتی ہے۔ (تفصیلی رپورٹ راشٹریہ سہارا، ۷/ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

ک، ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

معارف اور علامہ شبلی

سی ۔۵۰۱، روز ووڈ اپارٹمنٹ،
میور وہار، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۹۱
۲۴/ جولائی ۲۰۱۵ء

مکرمی! معارف پابندی سے موصول ہوتا رہتا ہے اور اس اسم مسمّٰی مجلہ علوم و معارف کے بیش بہا، محققانہ اور اعلیٰ پایہ کے مضامین اور مقالات بہت زیادہ متاثر کرتے ہیں ۔ جون ۲۰۱۵ء کے شمارے میں مندرجہ ذیل مضامین اسی ذیل میں آتے ہیں:

''جہان شبلی ۔ علامہ شبلی کی ایک تقریظ ۔ بحر ذخار کی بعض غیر مستند روایتیں ۔ نشاندن یا چیدن مختلف زمانی اسلوب کے محقق ۔

علامہ شبلی عبقری اور ہمہ جہتی شخصیت کے مالک تھے انہوں نے اپنی تصانیف اور تحریروں سے مسلمانوں کے درخشاں اور ناقابل فراموش کارناموں سے دنیا کو روشناس کیا، تاریخ ہند کی تصحیح کی اپنے معاصرین سے جن میں علی گڑھ تحریک کے بانی، حالی اور ڈپٹی نذیر احمد شامل ہیں ۔ وہ بالکل مرعوب نہ ہوئے اور نہ وہ حکومت کے وفادار رہے ان کا ایک بہت بڑا اور ناقابل فراموش کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلم سیاست کا رخ موڑ دیا اور حریت اور استخلاص وطن کا زبردست جذبہ پیدا کیا اور ساتھ ہی اخوت اسلامی کا جذبہ پیدا کیا ۔

ضرورت اور سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ ان کے ان کارناموں کو برابر پیش کیا جاتا رہے ۔

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

مولانا شاہ شبیر عطا ندوی مرحوم

حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ
۱۸/ ۹/ ۲۰۱۵ء

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معارف کا ماہ رواں کا شمارہ کل موصول ہوا ۔ اس میں ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی کا جو مراسلہ

مولانا شاہ شبیر عطا ندوی مرحوم کے زیرعنوان شائع ہوا ہے اس میں ان کے بڑے بھائی شاہ ہادی عطا مرحوم کے تعلق سے بعض غلط باتیں آ گئی ہیں۔

شاہ ہادی عطا بی۔اے میں میرے ہم جماعت تھے اور ہم ایک ہی ہوسٹل (آفتاب ہوسٹل) میں رہتے تھے۔ وہ مطالعے کے اس حد تک رسیا تھے کہ کھانا کھا رہے ہیں، کتاب پڑھ رہے ہیں۔ غسل خانہ جا رہے ہیں، ایک ہاتھ میں لوٹا ہے اور ایک ہاتھ میں کتاب۔ یہ صحیح ہے کہ بی۔اے میں ان کی پہلی پوزیشن آئی تھی لیکن یہ غلط ہے کہ نتیجہ نکلنے سے ایک دن پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ علیل تھے اور (غالباً) ہسپتال میں داخل تھے۔ میں نے انہیں مبارک باد کا خط لکھا تو ان کا جواب آیا کہ جب علی گڑھ سے نتیجے کی اطلاع کا تار ملا تو میرے ایک ہاتھ میں تار تھا اور دوسرے ہاتھ سے میں اس ہاتھ کی نبضیں گن رہا تھا۔

شاہ شبیر عطا صاحب سے ندوۃ العلماء میں اکثر ملاقات ہوتی، وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ میرے بھائی کو آپ نے مبارک باد کا جو خط لکھا تھا وہ ان کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ میں جواب دیتا کہ میرے خط میں کوئی خاص بات نہیں تھی، خط تو ان کا تھا جس نے دل کے تار چھو لیے تھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کے سوگ میں مسلم یونیورسٹی ایک دن کے لیے بند ہو گئی تھی کیونکہ وہ موسم گرما کی تعطیلات کا زمانہ تھا۔

جب یونیورسٹی کا سالانہ کانووکیشن ہوا تو ان دنوں میرے والد صاحب الحاج عبیدالرحمٰن خاں شروانی مرحوم وائس چانسلر کے فرائض انجام دے رہے تھے، انہوں ہی نے کانووکیشن کی صدارت فرمائی تھی۔ جب بی۔اے میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے کی وجہ سے ہادی عطا صاحب کو سونے کا تمغہ ملنے کا اعلان ہوا تو اسی کے ساتھ والد صاحب نے ان کے انتقال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ جب ہم کانووکیشن کے پنڈال سے باہر نکل رہے تھے تو شاہ حسن عطا میرے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ کے والد صاحب کانووکیشن کی صدارت نہ کر رہے ہوتے تو میرے بھائی کے لیے اس طرح دعائے مغفرت ہرگز نہ ہوتی۔

ہادی عطا صاحب مقرر بالکل نہیں تھے۔ وہ تو ایک خاموش طبع انسان تھے۔ اپنے دو سالہ قیام علی گڑھ میں انہوں نے تقریر ایک مرتبہ بھی نہیں کی۔

شاہ حسن عطا مرحوم کے بارے میں کچھ نہیں لکھوں گا۔ بس ایک بات کی تصحیح کر دوں ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کو تقسیم ہند کے تعلق سے سرزنش بالکل نہیں کی تھی، انہوں نے سرسید کی سیاست سے اختلاف کیا تھا جس کے جواب میں حسن عطا صاحب نے یونین ہال میں وہ تقریر کی تھی جس کا حوالہ فاضل مراسلہ نگار نے دیا ہے لیکن اس تقریر میں ترجمان القرآن کا ذکر کہیں نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرا مسئلہ تھا جس کے ذکر سے یہ مراسلہ بہت طویل ہو جائے گا۔

نیازمند

ریاض الرحمٰن شروانی

شاہ عطا ندوی، کچھ اور

گیان پور، بھدوہی

۲۷/ستمبر ۲۰۱۵ء

محترمی! سلام مسنون

ستمبر کا معارف ملا، سبھی مضامین اچھے ہیں، ص ۲۲۷ پر معارف کی ڈاک کے تحت جناب محمود حسن الہٰ آبادی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ''شاہ حلیم عطا مرحوم کو بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے خانقاہ کریمیہ چشتیہ سلون کی سجادگی کا حق تھا لیکن ندوہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس مسند پر ان کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ نعیم عطا کا تصرف تھا''۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نعیم عطا صاحب سب سے بڑے بھائی تھے، ان سے چھوٹے شاہ علیم عطا اور سب سے چھوٹے شاہ حلیم عطا تھے۔ شاہ صاحب نے شاہ نعیم عطا سے کچھ پڑھا بھی تھا، تفصیلات کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''پرانے چراغ'' دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ شاہ نعیم عطا صاحب ۱۹۰۰ء ہی میں سجادہ نشین ہو چکے تھے دراصل شاہ نعیم عطا صاحب شاہ مہدی عطا صاحب کی پہلی بیوی سے تھے اور بقیہ اولادیں دو بھائی اور دو بہن دوسری بیوی سے تھے جن میں شاہ حلیم عطا صاحب سب سے چھوٹے تھے ۔

شاہ ظفر الیقین

آثار علمیہ و تاریخیہ

سرسید کی ایک نایاب تحریر جو علامہ شبلی کو شمس العلماء کے خطاب کی تفویض کے موقع پر لکھی گئی

اشتیاق احمد ظلی

علامہ شبلی کو شمس العلماء کا خطاب جنوری ۱۸۹۴ء میں تفویض ہوا۔ یہ سرسید کی کوششوں کا نتیجہ تھا (۱)۔ عطاء خطاب کے وقت علامہ شبلی کی عمر ۳۶ اور ۳۷ سال کے درمیان تھی۔ ایک تو ان کو اتنی کم عمری میں یہ اعزاز ملا تھا اور دوسرے کالج کے اسٹاف میں یہ اس نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے اس کی بہت اہمیت محسوس کی گئی۔ تہنیت اور عطاء خطاب کے سلسلہ میں جن تقریبات کا اہتمام کیا گیا ان کی تفصیلات انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے صفحات میں محفوظ ہیں (۲)۔ مزید براں اس سلسلہ میں خاصی تفصیل ''حیات شبلی'' میں بھی موجود ہے۔ (۳)

عطاء خطاب کی اطلاع دیتے ہوئے سرسید نے گزٹ کے ۵؍ جنوری ۱۸۹۴ء کے شمارہ میں ایک مختصر نوٹ لکھا تھا۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

شمس العلماء مولوی محمد شبلی نعمانی

پروفیسر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ

ہم کو اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ ہمارے کالج کے نہایت لائق عالم، ادیب واریب، ناظم و ناثر مولوی محمد شبلی پروفیسر کی گورنمنٹ نے قدردانی کی اور خطاب شمس العلماء کا عطا

فرمایا جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے۔ہم ان کو اور اپنے کالج دونوں کو اس اعزاز کی مبارک باد دیتے ہیں۔

مولوی شبلی صاحب جیسا کہ عربی زبان کے ادیب ہیں ویسے ہی بہت بڑے ہسٹورین یعنی مورخ ہیں۔ان کا طرز تاریخ نویسی اس دقیانوسی زمانہ کے مورخوں کا نہیں ہے بلکہ اس زمانہ میں جو طرز تاریخ نویسی کا ہے اور جو واقعہ نویسی سے ترقی کر کے علمی درجہ پر پہنچ گیا ہے اس طرز و ڈھنگ پر ہے۔المامون یعنی خلیفہ مامون کی لیف اور سیرۃ النعمان یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی لیف اس خوبی اور عمدگی سے لکھی ہے جس کی نظیر اس وقت موجود نہیں۔کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کی نسبت اور جزیہ کے لفظ کی اور اس کے مقرر ہونے کے زمانہ کی اور اسلام میں اس پر عمل درآمد ہونے کی جو تحقیق انہوں نے کی ہے وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہے جو ان کی لیاقت علمی اور کتب تواریخ پر وسیع نظر ہونے کی شاہد ہے۔انہوں نے صرف اپنے علمی شوق سے قسطنطنیہ، مصر، شام کا سفر کیا ہے، وہاں کے علماء سے ملے ہیں اور کتب خانوں کی سیر کی ہے۔قسطنطنیہ میں بہ سبب ان کے علم کے ان کی بہت قدر و عزت کی گئی تھی۔نہات خوشی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے بھی ان کی قدر کی۔انہیں نے اس اعزاز کے شکریہ میں پچاس روپیہ کالج کی نذر کیا ہے۔

الشمس نقتبس (نقبس) من ضیاء کمالہ   وکمالہ من ضوءنا لا یقتبس

(انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۵/ جنوری ۱۸۹۴ء)

حواشی

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۴۔

(۲) مجلس اخوان الصفاء اور لجنۃ الادب کی طرف سے جلسہ تہنیت کی تفصیل کے لیے دیکھیے انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۶/ فروری ۱۸۹۴ء، ص ۱۴۰۔۱۴۷۔جلسہ عطاء خلعت وخطاب کے لیے دیکھیے انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۲۷/ فروری ۱۸۹۴ء، ص ص ۲۱۵۔۲۱۷۔

(۳) حیات شبلی، ص ص ۲۰۵۔۲۲۱۔

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

الایام: مدیرہ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، قیمت: ۳۰۰/روپے، پتہ: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، فلیٹ نمبر A-15، گلشن امین ٹاور، گلستاں جوہر بلاک IS، کراچی، پاکستان۔

پاکستان کے جن علمی اداروں کی کارکردگی کے معیار و وقار کا اندازہ ان کے مجلّات سے ہوتا ہے، ان میں یہ ششماہی مجلہ ''الایام'' بھی ہے، اس کی نہایت کارگزار مدیرہ اور مجلس ادارت میں شامل ڈاکٹر حافظ محمد سہیل شفیق علمی دنیا اور خصوصاً معارف کے حلقہ میں تعارف کی ضرورت نہیں رکھتے۔ زیر نظر شمارہ بھی ان کی لیاقت و محنت کا خوبصورت نمونہ ہے۔ مقالات، ادبیات، مطبوعات جدیدہ، یاد رفتگاں اور خصوصی گوشہ کے عنوان سے عمدہ اور بلند پایہ متنوع مضامین ہیں، حصہ مقالات میں جہاں صحیح بخاری اور سیرت طیبہؐ پر عالمانہ تحریریں ہیں وہیں شبلی، مستشرقین، ڈاکٹر حمیداللہ، مفتی محمد عبدہ، راشد الخیری کے تعلق سے عمدہ مضامین ہیں۔ اورنگ زیب اور خواجہ معصوم سرہندی اور برصغیر میں قرامطہ کے سیاسی اثر ورسوخ پر مورخانہ مضامین بھی ہیں، ادبیات کے زیر عنوان جناب عارف نوشاہی کا سفرنامہ حج ہے، حضور بے حضوری کا عنوان ہی اس سفرنامہ کو جاذبیت عطا کرتا ہے، نوشاہی صاحب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو وہاں بھی ان کے دیرینہ ذوق کی سیرابی کا سامان ہو گیا یعنی ان کو بعض اہم اور قدیم مخطوطات کی خوشبو مل گئی، انہوں نے کتب خانوں کے ذمہ داروں کے متضاد رویوں کا ذکر کیا ہے۔ برصغیر میں اکثر ذمہ داروں کا معاملہ غیر مساعدانہ ہی رہتا ہے لیکن نوشاہی صاحب کے تجربہ نے بتایا کہ شاید یہ ایشیائی مزاج میں شامل ہے۔ ڈاکٹر تیرتھ رام رینا نے رشید حسن خاں کے خطوط کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس کے تعارف میں خاں صاحب کے خیالات، پڑھنے والوں کے لیے دلچسپی کا سامان ہیں۔ مثلاً ''میں اس تنقید کا قطعاً قائل نہیں جس میں انشائیہ نگاری کا انداز ہو اور وہ اسلوب ہو جو منافق کی سخن آرائی کا ہوتا ہے''۔ خاں صاحب بے باک، بے لاگ، کھرے اور خشک ہونے کے

صفات سے یاد کیے جاتے ہیں، ایک صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''انہیں صاحب کتاب بننے کا ہوکا ہوگیا ہے یا یوں کہیے کہ لکھنے کا ہیضہ ہوا ہے'' اور بھی لوگوں کے بارے میں ان خطوط میں بڑی بے تکلفی سے اسی قسم کا اظہار خیال ہے۔

ایک گوشہ پروفیسر شکیل اوج مرحوم کے لیے خاص ہے۔ ایک سال ہوگیا لیکن ان کی یادوں کے چراغ اب بھی روشن ہیں، یادش بخیر کے تحت پروفیسر شکیل صدیقی مرحوم اور جناب کلیم عاجز کی باتیں ہیں۔ باقی مطبوعات جدیدہ اور یاد رفتگاں کے مستقل کالم ہیں۔ البتہ ناقابل اشاعت مضامین کی فہرست ہمارے لیے نئی چیز ہے۔ شمارہ کی ضخامت اور فخامت میں دو انگریزی اور ایک ایک عربی، فارسی مقالات نے بھی اضافہ کیا ہے۔ سنجیدہ علمی و تحقیقی مضامین پر مشتمل اس رسالہ کے متعلق یہ جان کر اور بھی خوشی ہوئی کہ یہ اشاعت کے دوسرے ہی مہینے میں گویا نایاب ہوجاتا ہے۔ خدا کرے یہ مقبولیت ایام کے آئینہ میں اپنی اداد یکھنے کی تمنا پوری کرنے والی ہو۔

میگزین بزم شبلی ''کبیر احمد جائسی نمبر'': مدیر ڈاکٹر شباب الدین، صفحات ۵۶۰، قیمت درج نہیں، تقسیم کنندہ: الہدیٰ پبلی کیشنز، ۲۹۸۲ کوچہ نیل کنٹھ، قاضی وارہ، دریا گنج نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۔

کبیر احمد جائسی مرحوم نے مصنف، مترجم، شاعر، ادیب، مدیر اور معلم اور شاگرد ہر حیثیت سے شہرت پائی، وقت کے ساتھ ان کا اعتبار اور احترام، عام ہوتا گیا، شخصیت شروع سے سادگی اور بے نیازی کا رنگ لیے ہوئے تھی، جو ماہ و سال کی گردش سے اور پکا اور نکھرا ہوتا گیا، خودداری اور بانکپن کی ذاتی و شخصی شناخت ان کے قلم کی بھی پہچان بن گئی۔ جائسی کی وطنی نسبت اپنی جگہ لیکن ان کے بچپن اور شباب کے عنفوان میں اعظم گڑھ کی ہواؤں اور فضاؤں ہی کا دخل رہا اور اس میں بھی دارالمصنّفین اور شبلی کالج کے سبزہ و لالہ زاروں کی گلگشت کی تاثیر سب سے نمایاں رہی، مولانا عبدالسلام ندویؒ ان کے سب سے بڑے استاد و مستفاد تھے۔ اس کا اظہار و اعتراف عمر بھر بطور تشکر ان کی زبان ہی نہیں ان کے پورے وجود کے ساتھ ہوتا رہا، زندگی کے سفر میں کشمیر، دہلی اور علی گڑھ کے پڑاؤ آتے رہے، ہجرت نما اس زندگی کو اور اس کے مطالبات کو وہ سراب زیست ہی سمجھتے رہے۔ شکوہ بھی کبھی کبھی زبان پر آجاتا کہ کاش یادوں سے پیچھا چھوٹتا تو کچھ دیر تو اپنے آپ سے گفتگو کی

فرصت مل جاتی۔ بڑی عجیب زندگی تھی جائسی صاحب کی جہاں نخل امید پر سوکھا ہوا ایک پتہ بھی کبھی نظر نہیں آتا تھا۔ اس مسافر کی بے قراری کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جو مدتوں یوں ہی سرگرم سفر رہا کہ بوئے گل، بادِ سحر، بانگ درا کچھ تو ملے۔ جو کبھی خود سے سوال کرتا کہ ایسی عمر رواں سے کیا حاصل۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر، تصوف اور ادب و شعر میں مضامین نو سے اردو دنیا کو پر ثروت کیا، یہ ثروت، تنوع اور تازگی کی تھی، تاجیکی ادب اور ایرانی تصوف، پھر تنقید و تحقیق اور تذکرہ نویسی اور یہ سب معلمی کے فرائض کے ساتھ، بہت صحیح کہا گیا کہ بہت کم اساتذہ پروفیسر جائسی سے آنکھیں ملانے کی تاب رکھتے ہیں اور کیا خوب لکھا گیا کہ چھوٹے اداروں میں بڑے لوگوں کی نشان دہی آسانی سے ہو سکتی ہے لیکن بڑے اداروں میں یہ کام بہت دشوار ہے، اس کے لیے واقعی انسان کا کبیر ہونا ضروری ہے۔

اس اجمال کی تفصیل زیر نظر نمبر ہے۔ جائسی صاحب یقیناً ایک قابل تقلید استاد تھے، قدرت نے اس کا صلہ اس نمبر کے ایڈیٹر ڈاکٹر شباب الدین کی شکل میں ان کو دیا، جنہوں نے پہلے بھی استاد کی خدمت کئی کتابوں کی اشاعت سے کی، لیکن یہ خاص نمبر سب پر فوقیت لے گیا۔ برصغیر کے نامور اہل قلم کی تحریروں سے انہوں نے ایک ہشت پہل ہیرے کے ہر پہلو کو تابدار بنا دیا۔ جائسی صاحب کے مطالعہ کے لیے اس خاص نمبر کا مطالعہ یقیناً ناگزیر ہے۔

ماہنامہ نیا دور "منشی دوارکا پرشاد افق نمبر": مدیر ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی، صفحات ۲۰۰، قیمت: ۵۰/ روپے، پتہ: انفارمیشن اینڈ پبلک ریلشنز ڈپارٹمنٹ، اتر پردیش، سوچنا و بھاگ اتر پردیش، پارک روڈ، لکھنؤ۔

انیسویں صدی کا نصف آخر ہندوستان کی سیاسی زبوں حالی کا کیسا ہی دور رہا ہو لیکن عین اسی عالم اضطراب و انقلاب میں قدرت اردو زبان پر اس طرح مہربان تھی کہ اس غبار آلود فضا میں جو ذرہ اٹھتا، نیر تاباں ہو جاتا، منشی دوارکا پرشاد افق بھی اردو کے اس لہو رنگ افق پر ابھرے اور چمک گئے، اردو کے علاوہ ہندی اور فارسی میں بھی انہوں نے لکھا اور اتنا لکھا کہ لوگوں نے ان کا تقابل سیماب یا ظفر علی خاں سے کیا۔ نثر میں ڈرامہ اور صحافت سے کام لیا لیکن اصل پہچان تو شاعری سے ہوئی۔ مدیر نیا دور نے ان کو دبستان لکھنؤ کے عظیم ادیب اور ملک الشعراء کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے کہ شاید افق پہلے ایسے صحافی ہیں جن کا اخبار تمام کا تمام منظوم شائع ہوتا تھا۔ نثر میں

جہاں صرف ونحو کی کتابیں مرتب کیں وہیں ناول بھی لکھے لیکن سب سے اہم ان کے ترجمے ہیں، رامائن، مہابھارت، بھگوت گیتا کے ذریعہ انہوں نے اردو کے دامن کو وسیع تر کیا۔ اردو کے ایسے فرزند کی یاد موجودہ حالات میں شاید اور بھی ضروری ہے، اس ضرورت کو رسالہ نیا دور نے اپنے روایتی سلیقہ ونفاست سے پورا کیا۔

سہ ماہی مجلہ افکار عالیہ ''ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نمبر'':

صفحات ۴۶۴، زرسالانہ: ۱۰۰ روپے، پتہ: مجلہ افکار عالیہ، عالیہ نگر، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔

مولانا مقتدی حسن ازہری ابھی ماضی قریب تک اپنی مرنجاں مرنج اور ہر دل عزیز شخصیت کی وجہ سے ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ بنارس کی جامعہ سلفیہ اور مئو کی جامعہ عالیہ عربیہ، ان کی علمی وعملی کاوشوں کا محور تھے۔ لیکن ان کی مقبولیت کا دائرہ بڑا وسیع تھا، عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کے قلم کی روانی کا اعتراف سب کو تھا۔ قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور کتاب رحمت للعلمین اور کئی اور کتابوں کو انہوں نے عربی قالب عطا کیا۔ اسی طرح عربی کی بعض اہم کتابوں کو انہوں نے اردو میں منتقل کیا۔ جیسی شستہ اردو ہوتی اتنی ہی شگفتہ عربی بھی ہوتی۔ ان کی زندگی اور کارناموں پر مشتمل یہ نمبر ان کی بہت سی اور خوبیوں سے روشناس کراتا ہے۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، پروفیسر یٰسین مظہر، مولانا شعیب نگرامی، پروفیسر سعود قاسمی، شیخ صلاح الدین مقبول، مولانا حفیظ الرحمٰن سے عتیق اثری ندوی تک پچاسوں اہل قلم کے نثری وشعری مضامین وتاثرات ہیں۔ جامعہ عالیہ نے یہ خاص نمبر شائع کر کے اپنے ایک مربی ومحسن کا حق ادا کر کے ایک نہایت مخلص انسان کے نام نیک کی معنویت کو دوام بخش دیا۔ اتنے ضخیم شمارہ میں کتابت کی غلطیاں حیرت انگیز حد تک معدوم ہیں، البتہ ایک جگہ جامعہ سلفیہ کو جامعہ سفلیہ لکھ دیا گیا جو بری طرح کھٹکتا ہے۔

سہ ماہی سراج الاسلام ''حضرت مولانا قاضی زین العابدین معروفی نمبر'':

مدیر مولانا ضیاء الحق خیرآبادی، صفحات ۲۴۸، قیمت: ۶۰ روپے، پتہ: مدرسہ سراج العلوم، سراج نگر، پوسٹ آفس چھپرا، ضلع مئو، یوپی ۲۷۶۱۲۹۔

مولانا قاضی زین العابدین معروفی کی علمی شخصیت کی شہرت خواہ کم ہو لیکن اہل نظر کی نظر

میں وہ ایسے عالم ربانی تھے جن کی نظر علوم حدیث میں غیر معمولی تھی۔فن اسماء الرجال میں کہا گیا کہ مولانا مرحوم نے ہندوستان میں اس کی تجدید کی، استحضار مضامین کی خوبی بھی خوب تھی۔ مظاہر علوم میں وہ استاذ حدیث تھے، خدا جانے کتنے لائق اور نامور علماء کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ سہارن پور کے علاوہ وہ سرائے میر، بنارس اور حیدرآباد میں بھی تشنگان علم حدیث کے لیے سرچشمہ بنے رہے۔ان کے عزیز ترین شاگرد مولانا اعجاز احمد اعظمی نے اپنے استاد کو عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے اس خاص نمبر کی تیاری کی لیکن اس کی اشاعت سے قبل وہ بھی اپنے استاد کی رفاقت میں جوار رحمت الٰہی میں چلے گئے۔ یہ شمارہ اب استاد شاگرد دونوں کی یادوں کو زندہ کرتا ہے۔

ماہنامہ جام نور ''عالم ربانی نمبر'': مدیر اعلیٰ جناب خوشتر نورانی،صفحات ۴۰۰، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ: ۴۲۲، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶۔

قریب چالیس سال کی عمر میں مولانا اسید الحق قادری گذشتہ سال عراق میں شہید کر دیے گئے۔ان کے اس ناگہانی حادثہ پر ہر طبقہ میں رنج و غم محسوس کیا گیا،شعلہ مستعجل کی درخشندگی جیسی خیرہ کن تھی ویسے ہی اس کی اچانک خاموشی بھی۔اس خاص نمبر میں ان کی یادوں کو بڑے سلیقہ سے سمیٹا گیا ہے،لکھنے والے کم نہیں لیکن تاثرات سب کے یکساں،مولانا یٰسین اختر مصباحی نے یہ نکتہ خوب نکالا کہ ''مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کی عمر بھی انتالیس سال کی تھی اور قریب یہی مدت مولانا اسید قادری کو بھی ملی،دونوں کا ذوق و مزاج بھی یکساں تھا یعنی خالص دینی و علمی اور دونوں کو تحقیق و تصنیف و تالیف سے غایت درجہ دلچسپی تھی''۔جام نور کی طباعت اپنے حسن کے لیے معروف ہے،اس خاص نمبر میں یہ سطر سطر سے ظاہر ہے۔

سہ ماہی ادبی جریدہ ''دبیر'': مدیر احمد نوید یاسر ازلان حیدر،صفحات ۸۰، قیمت: ۱۵۰/روپے، پتہ: دبیر حسن میموریل لائبریری، ۱۲۔ چودھری محلہ (جنوبی) کاکوری،لکھنؤ، یوپی۔

اودھ کے تاریخی اور نامور قصبات کی شان ہی کچھ اور ہے لیکن ان میں بھی کاکوری نے جو ناموری پائی، اس کی بات بھی کچھ اور ہے، ہندوستان کے علماء، صلحاء، صوفیہ، شعراء کا کوئی بھی تذکرہ کاکوری کی نسبت والوں سے خالی نہیں۔ان ہی میں وہ بھی تھے جن کے نام سے اس نئے رسالہ کو نام ملا،

اس رسالہ کے اجرا کا بڑا مقصد فارسی زبان و ادب سے متعلق مضامین شائع کرنا ہے۔ زیر نظر شمارے میں اس کی پوری رعایت نظر آتی ہے جس میں امیر خسرو، بسمل کاکوروی، مولانا روم، علی ابراہیم خلیلی کی فارسی خدمات کا جائزہ ہے۔ فارسی زبان کی مقبولیت، فارسی مثنوی نگاری اور جدید فارسی ادب پر بھی تحریریں ہیں۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے فارسی کے تحقیقی مقالات کے ذکر میں مسلم یونیورسٹی کی کارکردگی، آئینہ تحقیق کے نام سے پیش کی گئی ہے۔ نخلستان نامی ایک فارسی مخطوطہ کا تعارف ہے اور تبصرے بھی فارسی کتابوں ہی پر ہیں، جیسے ڈاکٹر شاہد نوخیز کی کتاب چندر بھان برہمن کی فارسی شاعری اور پروفیسر سید محمد اسعد علی خورشید کی کتاب عہد خلجیان ہند کی نمائندہ فارسی منثورات۔ دوسری جلد کا یہ پہلا شمارہ ہے، توقع ہے کہ یہ خوب سے خوب تر کی منزلوں تک پہنچ کر رہے گا۔

ششماہی اقبال ریویو (خصوصی اشاعت) "پروفیسر صلاح الدین کے مضامین: مدیر سید امتیاز الدین، صفحات ۱۰۴، قیمت فی شمارہ: ۵۰/روپے۔

حیدرآباد دکن کا اقبال ریویو محتاج تعارف نہیں۔ اقبال اکیڈمی کے ترجمان کی حیثیت سے یہ ایک تسلسل سے اقبالیات پر عمدہ بلکہ بلند پایہ مضامین کی اشاعت میں مصروف ہے۔ اقبال اکیڈمی کے بنیاد گزاروں میں ایک پروفیسر صلاح الدین مرحوم بھی تھے۔ اسلام، فارسی ادبیات، رومی اور حافظ کے عاشق تو دوسری طرف وہ فلسفہ اور نفسیات جدیدہ کے ماہر بھی تھے، ان کا اقبال سے متاثر ہونا فطری تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے کئی عمدہ مقالے سپرد قلم کیے، ان میں قرآن اور اقبال اور اقبال اور عصری تقاضے تو نام سے ظاہر ہیں باقی مضامین بھی اقبالیات ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان مضامین کی اشاعت اقبال کے شیدائیوں کے لیے گویا تحفہ ہے۔

رسالوں اور مجلوں میں ہمارے سامنے ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا شبلی نمبر، نوائے ادب ممبئی کا شبلی شمارہ اور عربی مجلہ مجلۃ الہند کا شبلی عدد خاص، مطالعات اور صدائے جرس اور ریکس طبی میگزین بھی ہیں۔ ان کا ذکر انشاءاللہ آیندہ شمارے میں آئے گا۔

ع۔ص

ادبیات

غزلیں

جناب شوق مانوی*

عظیم شان کرم کے آگے ، یہ میری فرد گناہ کیا ہے
جو مجھ گنہ گار کو نہ بخشا ، تو رحمت بے پناہ کیا ہے

وفا پرستوں پہ اہل دنیا ، ستم کریں اور چپ رہے تو
ترا تغافل یہی رہے گا تو اپنے جینے کی راہ کیا ہے

تمہاری شرمائی سی نظر میں ہزار پیماں ہیں پھر وفا کے
عجب نہیں دل فریب کھالے ، مگر یقین نباہ کیا ہے

جہاں کی ہر شے حسین و دلکش ، سکوں نظر کو قرار دل کو
ہزارہا خلد کی بہاریں ، وہ اک کرم کی نگاہ کیا ہے

نہ میرے اخلاص کے مرادف ، نہ تیرے الطاف ہی کے شایاں
صلے میں ایثار مستقل کے ، عنایتِ گاہ گاہ کیا ہے

نفس نفس ہے مہک اسی کی ، تو شوقؔ احساس ہجر کیسا
حسین اور دلفریب خوابوں میں رنگ بخت سیاہ کیا ہے

جناب محمد امین احسن**

حرف دو حرف سے گو اس کی شناسائی ہے
اہل دنیا میں مگر خوب پذیرائی ہے

برف پگھلے گی تو موسم کی ہوا بدلے گی
گریۂ شب نے ہمیں بات یہ سمجھائی ہے

آئینہ ٹوٹ کے بکھرا ہے تو پھر صورت یار
ٹکڑے ٹکڑے میں حسین اور نظر آئی ہے

رک گئے پاؤں گذرتے ہوئے دیکھا ان کو
ربط باہم نہ سہی ، دل تو تمنائی ہے

وہ جو کہتے ہیں کہ ہم ہیں تو یہ گلشن ، یہ بہار
کیا یہی فہم و فراست ، یہی دانائی ہے؟

آیئے بیٹھ کے سوچیں کہ کیا کیا ہم نے
''لمحۂ فکر ہے'' اس بات میں سچائی ہے

کانپتی جس سے زمیں اور لرزتا ہے فلک
مرد مومن کا یہی عالم تنہائی ہے

پھر نظر آیا ہے شاید کوئی دیوانہ امینؔ
صحن گلشن سے ہوا ہنستی ہوئی آئی ہے

---

* سہارن پور۔ ** بلریا گنج، اعظم گڑھ۔

مطبوعات جدیدہ

مکاتیب ابوالکلام آزاد: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۷۶، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ رشیدیہ، بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی، پاکستان۔

علم، فکر، ذوق، مزاج، کردار، گفتار، تقریر، تحریر، اسلوب، لہجہ اور پھر اثر، تاثیر میں انفرادیت اور پر عظمت انفرادیت والی شخصیات خواہ کتنی ہی کم ہوں، ان میں مولانا آزاد کا نام آنا کسی کے لیے بھی حیرت کا سبب شاید ہی بن سکے۔ اعتماد کی ایسی قوت اور اپنی ذات پر یقین کی ایسی صلابت کس کو نصیب کہ ''مذہب، علوم وفنون، ادب، انشاء، شاعری کوئی وادی ایسی نہیں جس کی بے شمار نئی راہیں مبدء فیاض نے مجھ نامراد کے داغ پر نہ کھول دی ہوں۔ ہر روز اپنے آپ کو عالم معنی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہر منزل کی کرشمہ سنجیاں، پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں'' یہ جملے مطالعہ آزاد ہی نہیں، مطالعہ تاریخ ہند میں یادگار بن چکے ہیں، ساتھ ہی ان کا یہ جملہ بھی ناقابل فراموش بن گیا کہ ''افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کر سکا'' اس جملہ کے تجزیے کے لیے امکانات ہیں اور بہت سی گنجائشیں بھی اور اس کے لیے دلیل کے طور پر اول وہلہ میں ڈاکٹر سلمان شاہ جہاں پوری کی شخصیت اور ان کی اس محبت وعقیدت کو پیش کیا جا سکتا ہے جس نے ان کو خدا جانے کب سے ''گرفتار آزاد'' بنا رکھا ہے اور اس کا ایک روشن ثبوت، ڈاکٹر صاحب کی پیرانہ سالی اور مجموعہ عوارض ہونے کے باوجود زیر نظر مجموعہ مکاتیب آزاد کی اشاعت ہے، مکاتیب ابوالکلام آزاد کے نام سے ۶۸ء میں انہوں نے ایک مجموعہ شائع کیا تھا، اس کے بعد بعض اسباب کی وجہ سے یہ کام رک سا گیا، اب یہ مجموعہ جو ان کے الفاظ میں مکاتیب آزاد کا سرمایہ جدید ہے اس شان سے مرتب ہوا ہے کہ مکتوب الیہم اس میں دوسو چالیس حضرات ہیں، خطوط قریب آٹھ سو ہیں اور ان کو سنین کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے، یہ سارے خطوط تین جلدوں میں ہیں۔ زیر نظر پہلی جلد ہے جس میں پینتیس لوگوں کے نام پونے تین سو خطوط ہیں، یہ پہلی جلد ۱۹۰۰ سے ۱۹۲۰ کے عرصہ پر محیط ہے، مولانا عبدالرزاق کانپوری سے لاہور کے شیخ قمرالدین تک

ہندوستان کے آسمان علم وفضل پر کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اس میں جگمگاتے نظر آتے ہیں، مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی، خواجہ حسن نظامی، علامہ شبلی نعمانی، ملا واحدی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا حالی، نواب علی حسن خاں، مولانا دریابادی، علامہ رشید رضا مصری، نیاز فتح پوری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا جوہر، افتخار عالم مارہروی، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، بیگم حسرت موہانی، مولانا عبدالقادر قصوری۔ مولانا آزاد کی زندگی کا یہ دور شباب تھا، ان خطوں میں اس کی جلوہ سامانی، عین قرین عقل ہے، فاضل مرتب نے بھی اختصار سے سہی بتادیا کہ ''ان میں زندگی، ذوق وشوق، مشاغل، مسائل اور ادب و مذہب کی رنگ آرائی زیادہ ہے''۔ رنگ آرائی شاید اسلوب کے لحاظ سے ورنہ ان خطوط کی سچائی کو کسی رنگ آرائی و آمیزی سے کوئی تعلق نہیں، پہلا خط مولانا عبدالرزاق کانپوری کے نام ہے جن کو مجمع الفضائل سے یاد کر کے مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ فی الواقع آپ کی ذات بابرکات مغتنمات روزگار سے ہے۔ یہ خط ۱۹۰۰ء کا ہے اور اس میں یہ جملہ موجود ہے کہ ''اعظم گڑھ میں مولانا شبلی کا عمدہ کتب خانہ ہے'' اسی سے یہ معلوم ہوا کہ ۱۸۹۹ میں آزاد، مولانا شبلی سے پہلی بار ملے تھے۔ شبلی و آزاد کی پہلی ملاقات کا تعین محققین کے ہاں زیر بحث رہا ہے جس میں قول فیصل کا حق جناب شمس بدایونی کی تحقیق کو حاصل ہوا، شبلی و آزاد کے نام سے ان کی کتاب اب موجود ہے۔ اسی خط سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی کے منصوبہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے سوانح بھی تھے، کاش ایوبی کی فتوحات میں شبلی کے قلم کی تسخیر بھی شامل ہوجاتی۔ علامہ شبلی کے نام آزاد کے خطوط معارف میں پہلے ہی شائع ہوچکے ہیں، وہ سب اس میں شامل ہیں۔ شبلی کے لیے آقائے من، یا مولی الجلیل اور کہیں صرف حضرت جیسے القاب و آداب کیا کچھ نہیں کہہ جاتے اور یہ جملہ تو ایک بار پھر تازگی لطف ولذت کے لیے مکرر کی صدا دیتا ہے کہ ''میرے عقیدے میں آپ امت مرحومہ کی اس جماعت ابدال سے کسی طرح کم نہیں جن میں سے ہر فرد الخ۔۔۔ جونفوس قدسیہ عطیہ توحید سے فیض یاب ہوں انہیں کیا ضرور کہ آلودہ شرک ہو'' اس خط میں شاہ جہاں پوری صاحب کے حواشی البتہ ضرورت سے زائد بلکہ بعض مغالطوں کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ ویسے بھی یہ فاضل مرتب کی تحقیقی شان کے منافی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا دریابادی کے نام خطوط میں ہمارے لیے قدرتاً زیادہ دلچسپی کا سامان ہے، یہ خطوط بھی معارف شائع ہوچکے ہیں، ان کے علاوہ چند اور

خطوط فاضل مرتب نے حاصل کیے۔ یہ خطوط کیا ہیں، نفیس و دقیق ومفید علمی و دینی مباحث کا خزانہ ہیں، صحیح کہا گیا کہ ایسی چیزیں دوسری جگہ شاید ہی مل سکیں۔ان خطوط کا زمانہ دارالمصنّفین کا عہد تاسیس وترقی ہے اس لیے جگہ جگہ اس کا ذکر ہمارے لیے زیادہ توجہ کا سبب بن گیا، کیا لوگ تھے اور کیا ان کی فکر تھی، لکھتے ہیں ''دارالمصنّفین نہایت آسانی کے ساتھ ایک وسیع النتائج چیز بن سکتا ہے اور ندوے کا حقیقی بدل بل نعم البدل، اصلی کام وہی ہے، باقی سب کے سب فروعی ہیں، آپ کی زندگی کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ آدمی پیدا ہوں'' ایک جگہ لکھتے ہیں ''دارالمصنّفین کے دائرہ کو جس قدر تنگ رکھیے گا اسی قدر وہ حقیقی اور عملی ہوگا، دو چار آدمی اچھے کام کر سکتے ہیں لیکن مجمع جہلا بے کار ہے، بڑی چیز یہ ہے کہ آیندہ ایسے نمونے قائم کیے جائیں جن میں حقیقت ہو اور رسم پرستی سے احتراز کیا جائے، آپ دارالمصنّفین کو اس کا پہلا نمونہ بنایئے''۔ایک اور خط میں ہے ''دارالمصنّفین کے لیے بہت ضروری ہے کہ اسے حقیقت اور اصلیت کا نمونہ بنایا جائے اور اس کے دائرے کو اتنا وسیع نہ کیا جائے کہ ہر ایڈیٹر اہل قلم اور ہر مضمون نگار مصنف ہو، ورنہ سب کچھ بے سود، وہ وقت ابھی سے پیدا کرنا چاہیے کہ اس کا نام سند اور سرٹیفکٹ کا کام دے''۔غرض ان خطوط میں ایک دنیا آباد ہے، جس کو دیکھنے کی ضرورت ہے، ایسی مفید کتاب کی طباعت زیادہ توجہ چاہتی تھی لیکن افسوس کہ کتابت کی غلطیاں بے شمار ہیں، یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ خطوط کی مدت ۱۹۲۰ تک بتائی گئی ہے لیکن بہت سے خطوط تیسری، چوتھی دہائی کے بھی آ گئے ہیں۔مقدمہ سید حنیف کا کاخیل کے قلم سے ہے جس کی نوک زبان پر یہ الفاظ بھی آ گئے ہیں کہ ''مالک رام نہ تحقیق وتدوین کے آدمی تھے، نہ ابوالکلام آزاد ان کا موضوع تھا، البتہ وہ تحقیق سے فائدہ اٹھانا خوب جانتے تھے''۔لیکن ان کا یہ احساس بالکل برحق ہے کہ ڈاکٹر سلمان شاہ جہاں پوری برصغیر میں ابوالکلامیات میں سب سے زیادہ اور مختلف النوع کام انجام دینے والی شخصیت ہیں اور کمال یہ ہے کہ یہ ساری خدمت انہوں نے اپنے ذاتی محدود وسائل سے انجام دی ہے اور وہ بھی سیاسی اور غیر سرکاری دونوں لحاظ سے نامساعد حالات میں۔

ع۔ص

(تبصرہ کے لیے دو کتابیں آنا ضروری ہیں۔معارف)

رسید موصولہ کتب

(۱) تذکرہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: از مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ، سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔ قیمت =/۸۰ روپے

(۲) ٹمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء: علیم صبا نویدی، ۲۶۶، ٹرپیلیکین ہائی روڈ، فلاٹ ۱۶، رائس منڈی اسٹریٹ، چنئی ۶۰۰۰۰۵۔ قیمت =/۵۰۰ روپے

(۳) خطوط مشاہیر بنام مولانا حبیب ریحان خان ندوی ازہری: مرتب مسعود الرحمٰن خان ندوی ازہری، دار التصنیف والترجمہ، سہارا پریسر، عید گاہ ہلس، بھوپال ۴۶۲۰۰۱۔ قیمت =/۵۰۰ روپے

(۴) سراجاً منیراً سیرۃ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: از مولانا محمد رابع الحسنی الندوی، تعریب محمد وثیق الندوی، دار الرشید، لکھنؤ۔ قیمت =/۳۵۰ روپے

(۵) عالم اسلام پر مغرب کا تسلط اسباب ونتائج: محمد وثیق ندوی، دار الرشید لکھنؤ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔ قیمت =/۲۵۰ روپے

(۶) عصر حاضر کے پرفریب نعرے: ڈاکٹر محمد رفعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی ۲۵۔ قیمت =/۷۵ روپے

(۷) علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات، جلد اول: مرتب محمد فرمان ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔ قیمت =/۳۰۰ روپے

(۸) متاع حبیب: مرتب مسعود الرحمٰن خان ندوی ازہری، ناشر دار التصنیف والترجمہ، بھوپال۔ قیمت =/۵۰ روپے

(۹) مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، اپنے افکار کے آئینے میں: ترتیب وتعلیق ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، ناشر شعبہ نشر واشاعت مدرسۃ العلوم الاسلامیہ، علی گڑھ۔ قیمت =/۴۰۰ روپے

(۱۰) مکاتیب ابوالکلام آزاد: مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری جلد اول، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، کراچی دہلی۔ قیمت درج نہیں

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	2200/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	100/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	80/-
شعر العجم اول	150/-
شعر العجم دوم	130/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	150/-
شعر العجم پنجم	120/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
الکلام	230/-
علم الکلام	180/-

کتاب	قیمت
موازنہ انیس و دبیر	100/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	85/-
سفرنامہ روم و مصر و شام	100/-
کلیات شبلی (اردو)	180/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی) مرتبہ: سید سلیمان ندوی	100/-
مقالات شبلی دوم (ادبی) //	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) //	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) //	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) //	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) //	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) //	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) //	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول //	150/-
مکاتیب شبلی دوم //	190/-
شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 MA'ARIF (URDU) -PRINT
OCT 2015 Vol- 196 (4)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)
Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org Fax No: 05462 - 265080
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
✆ (Office Mobile) 07607046300 / 09170060782

تصانیف ومطبوعات شبلی صدی تقریبات

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)		علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی		ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دارالمصنّفین کے سو سال		کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)		مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی		علامہ شبلی نعمانی تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
۶۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس		ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۷۔	سیرت عائشہ	(ہندی ترجمہ)	علامہ سید سلیمان ندوی	325/-
۸۔	عرب وہند کے تعلقات	(ہندی ترجمہ)	// //	200/-
۹۔	خطبات مدراس	(ہندی ترجمہ)	// //	125/-
۱۰۔	دین رحمت	(ہندی ترجمہ)	مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۱۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، اول	(ہندی ترجمہ)	سید صباح الدین عبدالرحمن	125/-
۱۲۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، دوم	(ہندی ترجمہ)	// //	180/-
۱۳۔	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، سوم	(ہندی ترجمہ)	// //	225/-